ماہنامہ

نقیبِ ختمِ نبوت ملتان

5
مئی ۲۰۱۶ء
رجب المرجب/شعبان ۱۴۳۷ھ

- حضرت حافظ سید محمد وکیل شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا سانحۂ ارتحال
- لبرل ازم کا محرک کون؟
- نفاق وافتراق ہے، شدید خلفشار ہے
- پاکستانی میڈیا کا ''اپریل فول'' اور ہمارا ثقافتی فقدان

- مدبّرِ اعظم ...... سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
- سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور تاریخی روایات
- سیرت وسوانح، امیر المؤمنین، خلیفۂ راشد سیدنا معاویہ سلام اللہ ورضوانہ علیہ
- اختلافاتِ اُمت اور اُن کا حل

نورِ ہدایت

ارشادِ ربانی

اللہ کی مہلت

''یہ اس کے سوا اور کس بات کے منتظر ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آئیں، یا خود تمہارا پروردگار آئے، یا تمہارے پروردگار کی نشانیاں آئیں۔ مگر جس روز تمہارے پروردگار کی نشانیاں آجائیں گی تو جو شخص پہلے ایمان نہیں لایا ہوگا اُس وقت اُسے ایمان لانا کچھ فائدہ نہیں دے گا یا اپنے ایمان (کی حالت) میں نیک عمل نہیں کیے ہوں گے (تو گناہوں سے توبہ کرنا مفید نہ ہوگا' اے پیغمبر ان سے) کہہ دو کہ تم بھی انتظار کرو، ہم بھی انتظار کرتے ہیں۔''

(الانعام: ۱۵۸)

فرمانِ رسول ﷺ

صدقے کی فضیلت

''ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب کوئی شخص ایک اچھی چیز صدقہ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اچھی چیزوں کا ہی صدقہ قبول کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اپنے دائیں ہاتھ میں لے لیتا ہے خواہ وہ ایک دانہ کھجور ہی ہو جیسے کوئی بچھڑے اور اونٹ کے بچے کو پالتا ہے' وہ کھجور اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں بڑی ہوتی رہتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ پہاڑ سے بڑی ہو جاتی ہے۔''

(بخاری۔ کتاب الزکوٰۃ)

الآثار

قادیانیت

''انیسویں صدی کے آخر میں سرزمین پنجاب کے ایک فرزندِ ناہموار مرزا غلام احمد قادیانی نے بھی وہی راگ الاپا جو اُس کے پیش رو اسود عنسی، مسیلمہ کذاب اور مزدک ایرانی وغیرہ نے گایا تھا۔ مرزا قادیانی کی سرپرستی بحری قزاقوں کی منظم سٹیٹ کرنے لگی۔ اور یہ دجالِ بحرِ ظلمات' فرنگی سامراج کی ''بوٹ'' میں تیرنے لگا۔ یہ نہنگِ بے اماں امتِ مسلمہ کو لخت لخت کر کے ایک نئی امت کی تشکیل میں مصروف ہو گیا۔

مرزائی' دولت پر شب خون مارنے میں اتارو ہیں۔ انہوں نے دولت کے سہارے' پاکستان اور بیرون ملک اس فتنۂ ارتداد کو نئی بیساکھیوں سے زندہ رکھنے کی تگ ودو شروع کی ہے۔ حالات کا تقاضا یہ ہے کہ مرزائیت کا محاسبہ اس دور کے تقاضوں کے مطابق کیا جائے۔''

ابن امیر شریعت مولانا سید عطاء المحسن بخاری رحمہ اللہ

اقتباس اداریہ ''نقیب ختم نبوت'' فروری ۱۹۸۸ء

ماہنامہ نقیبِ ختمِ نبوت ملتان

جلد 27 شمارہ 5 رجب المرجب/شعبان 1437ھ/ مئی 2016ء

Regd.M.NO.32

بیاد: سید الاحرار حضرت امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

بانی: ابنِ امیرِ شریعت سید عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ

فیضانِ نظر: حضرت مولانا خواجہ خان محمد رحمۃ اللہ علیہ

زیرِ سرپرستی: ابنِ امیرِ شریعت حضرت پیرجی سید عطاء المہیمن بخاری دامت برکاتہم

مدیرِ مسئول: سید محمد کفیل بخاری

kafeel.bukhari@gmail.com

رفقاءِ فکر:

عبداللطیف خالد چیمہ • پروفیسر خالد شبیر احمد

مولانا محمد مغیرہ • محمد عمر فاروق

قاری محمد یوسف احرار • میاں محمد اویس

سید صبیح الحسن ہمدانی

sabeeh.hamdani@gmail.com

سید عطاء المنان بخاری

atabukhari@gmail.com

محمد نعمان سنجرانی

تزئین: محمد مزمل حمید

سرکولیشن منیجر: محمد یوسف شاد

0300-7345095

تشکیل

دل کی بات:	حضرت حافظ سید محمد وکیل شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا سانحۂ ارتحال	سید محمد کفیل بخاری	2
شذرہ:	مولانا محمد دین شوق کا سانحۂ ارتحال	〃 〃 〃	3
رُوداد:	جناب عبداللطیف خالد چیمہ کا دو روزہ کراچی کا دورہ	ابوعثمان احرار	5
افکار:	لبرل ازم کا محرک کون؟	محمد اعجاز مصطفیٰ	7
〃	نفاق وافتراق ہے، شدید خلفشار ہے	پروفیسر خالد شبیر احمد	10
〃	پاکستانی میڈیا کا ''اپریل فول'' اور ہمارا ثقافتی فقدان	عاصم حفیظ	13
دین ودانش:	مدبرِ اعظم ..... سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما	شاہ بلیغ الدین رحمہ اللہ	14
〃	ذرا ہمت سے کام لیں!	پروفیسر محمد حمزہ نعیم	16
〃	احادیثِ نزولِ عیسیٰ بن مریم علیہما السلام اور منکرین حدیث کے اعتراضات کا علمی جائزہ	حافظ عبیداللہ	18
〃	دنیائے اسلام کے سب سے بڑے حکمران سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما	تنویر الحسن احرار	25
〃	سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور تاریخی روایات	محمد عرفان الحق ایڈووکیٹ	29
خطاب:	سیرت وسوانح، امیر المؤمنین، خلیفۂ راشد سیدنا معاویہ سلام اللہ ورضوانہ علیہ (قسط نمبر1)	سید ابومعاویہ ابوذر حسنی بخاری رحمہ اللہ	33
ادب:	منقبت در مدح سیدنا حسن سلام اللہ علیہ	محمد سالمان قریشی	43
〃	غزل	قتبان محمد چوہان	44
〃	سید وکیل شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ (نظم)	میجر سعید اختر	45
یادِ رفتگان:	حافظ سید محمد وکیل شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ	حبیب الرحمٰن بٹالوی	46
〃	پروفیسر عطاء اللہ اعوان صاحب کا سانحۂ ارتحال	مولانا جمیل الرحمٰن عباسی	49
خطاب:	اختلافاتِ اُمت اور اُن کا حل، وحدتِ امت (آخری قسط)	مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی رحمۃ اللہ علیہ	52
حسنِ انتقاد:	تبصرۂ کتب	صبیح ہمدانی	61
ترحیم:	مسافرانِ آخرت	ادارہ	63

زرِ تعاون سالانہ

اندرونِ ملک ———— 200/- روپے

بیرونِ ملک ———— 4000/- روپے

فی شمارہ ———— 20/- روپے

ترسیلِ زر بنام: ماہنامہ نقیبِ ختمِ نبوت

بذریعہ آن لائن اکاؤنٹ نمبر: 1-5278-100

بینک کوڈ 0278 یو بی ایل ایم ڈی اے چوک ملتان

رابطہ

دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان

☎061-4511961

www.ahrar.org.pk
www.alakhir.com
majlisahrar@hotmail.com
majlisahrar@yahoo.com

تحریکِ تحفظِ ختمِ نبوت شعبۂ تبلیغ مجلسِ احرارِ اسلام پاکستان

مقامِ اشاعت: دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان ناشر: سید محمد کفیل بخاری طابع: تشکیل نو پرنٹرز

Dar-e-Bani Hashim, Mehrban Colony, Multan.(Pakistan)

دل کی بات　　　　سید محمد کفیل بخاری

انا للّٰہ و انا الیہ راجعون

حضرت حافظ سید محمد وکیل شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا سانحۂ ارتحال

حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے داماد، حضرت مولانا سید عطاء المومن بخاری مدظلہٗ، قائد احرار حضرت پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری دامت برکاتہم کے بہنوئی اور میرے والد ماجد حضرت حافظ سید محمد وکیل شاہ بخاری ۸ر رجب ۱۴۳۷ھ / ۱۶ر اپریل ۲۰۱۶ء بروز ہفتہ بعد از ظہر دو بج کر پچیس منٹ پر انتقال کر گئے۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔ والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ گزشتہ آٹھ ماہ سے شدید علیل تھے۔ اگست ۲۰۱۵ء میں معمولی بخار سے علالت کا آغاز ہوا جو بالآخر مرض الوفات پر منتج ہوا۔ درمیان میں کچھ افاقہ بھی ہوا مگر انتقال سے تین چار روز قبل دوبارہ شدید بخار ہوا جو موت کے ساتھ ہی اترا اور انہیں مکمل صحت ہوگئی۔ میری والدہ ماجدہ رحمہا اللہ کے انتقال ۱۳ر اپریل ۲۰۱۲ء کے بعد والد ماجد کی وفات خاندان امیر شریعت کے لیے ایک گہرا صدمہ ہے۔

حضرت حافظ سید محمد وکیل شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ، ۱۵ر جمادی الاوّل ۱۳۴۹ھ / ۹ر اکتوبر ۱۹۳۰ء کو موضع دین پور، عبدالحکیم ضلع خانیوال میں پیدا ہوئے۔ دادا جان حضرت سید محمد شفیع شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ سے بیعت تھے۔ اسی نسبت کی برکت سے اپنے بیٹے کو سب سے پہلے قرآن کریم حفظ کرایا۔ ابا جی نے حفظ قرآن حضرت حافظ محمد حسین رحمۃ اللہ علیہ سے کیا۔ پھر قریبی بستی پہوڑاں والا میں قائم ایک سکول سے پرائمری جماعت پاس کی۔ ۱۹۴۷ء میں جب پاکستان بنا تو اس وقت راولپنڈی میں نویں جماعت میں پڑھتے تھے۔ اور وہاں اپنے عزیزوں کے ہاں رہتے تھے۔ قیام پاکستان کے بعد اپنی آبائی بستی دین پور واپس آگئے اور گورنمنٹ ہائی سکول سرائے سدھو، تحصیل کبیر والہ میں داخل ہوئے۔ ۱۹۴۸ء میں مدرسہ ریاض الاسلام جھنگ میں درس نظامی میں داخلہ لیا، ساتھ میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ یہاں حضرت مولانا محمد یسین (سابق مہتمم جامعہ قاسم العلوم ملتان) بھی پڑھتے تھے۔ ان سے دوستی ہوگئی اور دونوں مدرسے کے ایک ہی کمرے میں رہائش پذیر رہے۔ یہیں ایف اے کا امتحان بھی پاس کیا۔ ۱۹۵۲ء میں شادی ہوئی اور حضرت امیر شریعت نے انہیں اپنا داماد بنالیا۔ حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری نور اللہ مرقدہٗ سے بیعت ہوئے اور ۱۹۵۲ء میں حضرت رائے پوری نے ہی آپ کا نکاح پڑھایا۔ تعلیم کے سلسلے میں ملتان آگئے اور گورنمنٹ ایمرسن کالج ملتان سے بی اے کیا، پھر پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے عربی اور ایم اے اسلامیات کرنے کے بعد ۱۹۵۹ء میں گورنمنٹ میونسپل ڈگری کالج اوکاڑہ میں لیکچرار متعین ہوئے۔ کئی برس اسی کالج میں استاد رہے۔ ۱۹۸۰ء میں گورنمنٹ

سول لائن کالج ملتان میں تبادلہ ہوا اور یہیں سے بطور اسسٹنٹ پروفیسر ریٹائر ہوئے۔

وہ ایک شریف النفس اور انتہائی متقی انسان تھے۔ حضرت امیر شریعت رحمہ اللہ اور علماء ومشائخ کی صحبت کے انوار واثرات ان کی سیرت سے جھلکتے تھے۔ نماز کی پابندی، تہجد، تلاوتِ قرآن، خاندان اور برادری سے حسنِ سلوک، دیانت اور رزقِ حلال کا اہتمام خاص ان کی شخصیت کے نمایاں اوصاف تھے۔ انہوں نے ہندوستان کے ایک سفر میں حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی، حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا، رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی رحمھم اللہ کی زیارت کا شرف حاصل کیا۔ دہلی، امرتسر، دیوبند، سہارن پور اور رائے پور گئے۔ مقصد صرف ان اکابر کی زیارت اور ملاقات تھا۔ حضرت مولانا محمد علی جالندھری، مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی اور مولانا مفتی محمود رحمہم اللہ سے بہت گہرا دوستانہ تھا۔ حضرت حافظ سید محمد وکیل شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ ایک بلند صفت صاحبِ نسبت بزرگ تھے۔ استغناء و قناعت اور سادگی وشرافت کا پیکر تھے۔ اپنی طویل تدریسی زندگی انتہائی ایمان داری اور شب و روز محنت ومزدوری کے ساتھ بسر کی۔ وہ ایک بے ضرر اور صابر وشاکر انسان تھے اور تقویٰ کے اعلیٰ معیار کو قائم رکھے ہوئے تھے، سب سے بڑی بات یہ کہ انھوں نے اپنی اولاد کے لیے رزقِ حلال کمایا اور اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے ساری زندگی اتباعِ شریعت میں گزاری۔ وہ بہاء الدین زکریا یونیورسٹی اور تعلیمی بورڈ ملتان میں کئی برس سیکریسی آفیسر بھی رہے اور دیانت داری کی اعلیٰ مثالیں قائم کیں۔

۹؍رجب ۱۴۳۷ھ؍۱۷؍اپریل ۲۰۱۶ء اتوار صبح پونے سات بجے ابدالی مسجد ملتان میں اُن کی نمازِ جنازہ ادا کی گئی۔ نمازِ جنازہ کی امامت کی سعادت فقیر راقم کو حاصل ہوئی۔ علماء ومشائخ، دینی مدارس کے طلباء، کالج ویونیورسٹی کے اساتذہ، تبلیغی جماعت کے مسافر مبلغین اور شہر کے مختلف حلقوں کے افراد ہزاروں کی تعداد میں نمازِ جنازہ میں شریک ہوئے۔

۸ بجے صبح قبرستان جلال باقری کے احاطۂ بنی ہاشم میں حضرت امیر شریعت اور خاندان کے دیگر بزرگوں کے ساتھ آسودۂ خاک ہوئے۔ ابناء امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاء المؤمن بخاری مدظلہٗ اور حضرت پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری دامت برکاتہم نے اپنی دعاؤں کے ساتھ انھیں رخصت کیا۔ بھانجے حافظ سید عطاء المنان بخاری، نواسے مفتی سید صبیح الحسن ہمدانی، بھتیجوں حافظ سید محمد معاویہ بخاری، سید عطاء اللہ ثالث بخاری، بھائیوں سید محمد امجد شاہ صاحب، سید غلام مصطفیٰ شاہ صاحب اور راقم نے لحد میں اتارا، اُن کا چہرہ پرسکون اور روشن تھا، آخری وقت اللہ اللہ کا ذکر اُن کی زبان پر جاری تھا۔ الحمد للہ ایمان پر موت نصیب ہوئی اور خاتمہ بالخیر ہوا۔ اللہ تعالیٰ اُن کے درجات بلند فرمائے، حسنات قبول فرمائے، خطائیں معاف فرمائے، اُن کی دعائیں ہمارے شامل حال فرمائے اور ہم سب پسماندگان کو صبرِ جمیل عطا فرمائے (آمین)۔

حضرت مرحوم کی شخصیت پر تفصیلی مضمون ان شاء اللہ آئندہ اشاعت میں شامل ہوگا۔ جن شخصیات اور احباب نے تعزیت وہمدردی کی اُن کی تفصیل بھی شامل ہوگی۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَہٗ وَارْحَمْہُ وَ عَافِہٖ وَاعْفُ عَنْہُ وَارْفَعْ دَرَجَاتِہٖ

مولانا محمد دین شوق کا سانحۂ ارتحال:

مولانا محمد دین شوق 14 اور 15 اپریل (جمعرات، جمعہ کی درمیانی شب) ہارٹ اٹیک ہونے سے انتقال فرما گئے۔ ابتدائی تربیت جامعہ رشیدیہ ساہیوال میں حضرت فاضل حبیب اللہ رشیدی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ہوئی، ایک عرصہ جامعہ رشیدیہ ساہیوال میں خازن اور ماہنامہ ''الرشید'' ساہیوال کے معاون کے طور پر خدمات انجام دیتے رہے۔ وہیں جناب عبداللطیف خالد چیمہ سے بے تکلف دوستی ہوئی۔ حضرت پیر جی عبدالعلیم شہید کے جامعہ رشیدیہ کے دور نظامت میں بھی ان کے معتمد خاص رہے۔ بعدازاں محمودیہ ہائی سکول ساہیوال میں ملازمت اختیار کر لی مختلف دینی مدارس کے حسابات اور آڈٹ کرا کر دیتے۔ دارالعلوم ختم نبوت چیچہ وطنی کے خازن ومحاسب کی خدمات 1985ء سے سرانجام دیتے آرہے تھے۔ سکول سے ریٹائرمنٹ کے بعد دفتر احرار چیچہ وطنی اور دارالعلوم ختم نبوت میں عبداللطیف خالد چیمہ کے معاون کے طور پر بھی خدمات انجام دینے لگے اور انتقال سے چند ہفتے قبل مفکر احرار چودھری افضل حق رحمۃ اللہ علیہ لائبریری چیچہ وطنی کی نگرانی بھی کرنے لگے۔ چیچہ وطنی جماعت کے اداروں کی تعمیر وترقی کی نگرانی پوری توجہ سے کرتے تھے اور احباب احرار چیچہ وطنی اور ادارے کے تمام ارکان وسٹاف سے بے حد مانوس تھے۔ شعبۂ حفظ قرآن کریم کے طلباء کی سکول کی تعلیم شروع کی۔ طلباء کی بزم ادب کے اجلاس کی نگرانی کرتے تھے اور ہمہ وقت ذمہ داری سے کام میں مشغول رہتے۔ حافظ حبیب اللہ چیمہ کے اہتمام میں چک نمبر 42-12 ایل والے مدرسہ عربیہ رحیمیہ کے حسابات ونظم کو بھی وہی دیکھتے تھے اور ہر کام کو اپنا ذاتی کام سمجھ کر کرتے۔ استغناء اور مطمئن شخصیت کا نمونہ تھے۔ 14/ اپریل جمعرات کو چیچہ وطنی سے چھٹی پر ساہیوال گھر گئے، رات 11:45 بجے دل کی تکلیف ہوئی اور آدھ پون گھنٹے بعد اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ چیچہ وطنی اداروں کے ماحول اور خصوصاً جناب عبداللطیف خالد چیمہ، قاری محمد قاسم، مولانا منظور احمد، حافظ حبیب اللہ رشیدی، قاری محمد سعید، قاری محمد صفدر، قاری محمد سدید، محمد رمضان جلوی، حافظ حکیم محمد قاسم، قاضی عبدالقدیر، قاضی ذیشان آفتاب، حافظ محمد شریف، شاہد حمید، حافظ محمد سلیم، محمد بن قاسم، رانا قمرالاسلام، سراج الدین احمد صدیقی اور دیگر افراد کی بھری مجلس کو اچانک جدائی دے گئے جس سے اب تک سب انتہائی غم زدہ ہیں۔ ادارہ مولانا مرحوم کی طویل خدمات کو خراج تحسین پیش کرتا ہے اور ان کے اہل خانہ اور بچوں سے تعزیت کا اظہار کرتا ہے۔ 15/ اپریل، بعد نماز مغرب نماز جنازہ مسلم ٹاؤن ساہیوال کے قریب علی ٹاؤن کے گراؤنڈ میں ادا کی گئی جو ان کی وصیت کے مطابق قاری عطاء اللہ مدرس جامعہ رشیدیہ ساہیوال نے پڑھائی۔ قاری منظور احمد طاہر، مولانا کلیم اللہ رشیدی، قاری بشیر احمد رحیمی، قاری عتیق الرحمٰن سمیت علماء کرام، دینی جماعتوں کے کارکنوں، مدارس اور محمودیہ ہائی سکول کے اساتذہ وطلباء نے بڑی تعداد میں شرکت کی۔ نماز جنازہ سے قبل جناب عبداللطیف خالد چیمہ نے اپنی تعزیتی گفتگو میں مولانا مرحوم کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی۔

ابوعثمان احرار

جناب عبداللطیف خالد چیمہ کا دوروزہ کراچی کا دورہ

تحریک ختم نبوت کے رہنما اور مجلس احرار اسلام پاکستان کے سیکرٹری جنرل عبداللطیف خالد چیمہ 3/ اپریل کی رات کے دوروزہ دورے پر کراچی پہنچے۔ رات کا قیام ماڈل کالونی میں محمود احمد کے ہاں کیا۔ رات گئے تک ساتھیوں سے ملاقات ہوئی۔ 4/ اپریل کو بعد نماز ظہر کراچی جماعت کے نائب امیر قاری علی شیر قادری کی دعوت پر مدرسہ عربیہ سیف الاسلام (کھنڈو گوٹھ) نارتھ ناظم آباد کراچی میں طلباء و طالبات سے مختصر خطاب کیا اور قاری علی شیر قادری کی جانب سے دیئے گئے ظہرانے میں شرکت کی ، اس موقع پر محمد شفیع الرحمٰن احرار، قاری کرامت علی ، مولانا عبدالغفور مظفر گڑھی، قاری ریاض احمد، مولانا محمد عبداللہ، مولانا احمد معاویہ بھی موجود تھے۔ رات کا قیام پروگرام کے میزبان مفتی عطاء الرحمٰن قریشی اور مصطفیٰ طارق قریشی کے مدرسہ جامعہ عائشہ صدیقہؓ اور عربین اسلامک پبلک اکیڈمی میٹروول سائٹ کراچی میں کیا ،5۔ اپریل منگل کو دینی و عصری تعلیم کے اسی مدرسہ اور اکیڈمی میں دس تا ایک بجے طلباء و طالبات میں تقسیم اسناد اور انعامات کی خوبصورت تقریب منعقد ہوئی، جس میں 48 طلباء و طالبات کو اسناد، انعامات اور شیلڈز سے نوازا گیا، مفتی عطاء الرحمٰن قریشی نے میزبانی اور نظامت کے فرائض انجام دیئے جبکہ طلباء و طالبات نے قرآن پاک کی تلاوت ، حمد و نعت اور نظمیں پیش کیں ، عبداللطیف خالد چیمہ نے بطور مہمان خصوصی خطاب کرتے ہوئے کہا کہ طلباء و طالبات کا آج کا یہ اجتماع اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ قرآنی تعلیمات پڑھنے پڑھانے والے کسی بھی طور پر مرعوب نہیں ہیں بلکہ وہ بہتر مستقبل کے لئے کوشاں ہیں، انہوں نے کہا کہ اس قسم کے اجتماعات میں شرکت کر کے مجھ جیسے کارکن کو حوصلہ ملتا ہے اور ہم سمجھتے ہیں کہ عالمی استعماری ایجنڈے کے باوجود ہم پسپا نہیں ہو رہے بلکہ ان شاء اللہ مستقبل اسلام اور مسلمانوں کا ہے، انہوں نے کہا ہے کہ مغربی سویلائزیشن نے تعلیم کو خدا شناسی کی بجائے محض تلاش رزق کا ذریعہ بنا کے رکھ دیا ہے اور دہشت گردی کو شدت پسندی اور جدت پسندی نے پروان چڑھایا ہے ، اس موقع پر مولانا امان اللہ، مولانا ساجد محمود ، مولانا محمد احتشام الحق معاویہ، مولانا فیض احمد ربانی ، مولانا مشتاق احمد عباسی ، مولانا عبدالغفور مظفر گڑھی ، مولانا مقصود احمد عباسی ، قاری اللہ دتہ، قاری علی شیر قادری ، مشہور تاجر بھائی محمد زبیر اور دیگر حضرات بھی بطور مہمانان شریک تھے۔ عبداللطیف خالد چیمہ نے کہا کہ اسلام عصری تعلیم کا ہرگز مخالف نہیں اور نہ ہی فنون حاصل کرنے سے روکتا ہے بلکہ رزق حلال کے لئے فنون کے حصول پر زور دیتا ہے ، انہوں نے کہا کہ دینی تعلیم موت کے بعد آنے والی دائمی زندگی کی بھی ضرورت ہے ، اس لئے وحی

الٰہی کی رہنمائی کے بغیر زندگی کا کوئی سا تصور بھی محض دھوکہ اور حماقت ہے ،انہوں نے کہا کہ کرپشن ،اقرباء پروری ،قتل وغارت گردی، ہوس اقتدار اور ملکی وقومی خزانے کی لوٹ مار اور وطن سے غداری مذہبی طبقات نہیں بلکہ یونیورسٹیوں سے پڑھے سیاستدان اوران کے ووٹرز کررہے ہیں،انہوں نے کہا کہ ہمارا سوال ہے کہ بے حیائی،عصمت فروشی اور شراب نوشی کے اڈے بنانے کے لائسنس حکومت نے دیئے یا کہ دینی مدارس نے؟۔انہوں نے کہا کہ دینی طبقہ تو فتنوں اور افراتفری کے اس دور میں بھی دینی تعلیمات کے تسلسل کو باقی رکھے ہوئے ہے اور ضروریات دین کے لئے قوم کی رہنمائی کا فریضہ انجام دے رہا ہے،انہوں نے کہا کہ ہماری جغرافیائی سرحدوں کی حفاظت پاک فوج کررہی ہے جبکہ وطن عزیز کی اسلامی شناخت اور نظریاتی سرحدوں کا دفاع دینی مدارس اور دینی جماعتیں کررہی ہیں،انہوں نے کہا کہ دین اسلام اعتدال کا نام ہے،شدت پسندی اور جدت پسندی نے قوم کو انتشار وافتراق اور دہشت گردی اور بدامنی کے سوا کچھ نہیں دیا،انہوں نے کہا کہ اقتدار کی بیسا کھیوں کے سہارے پر قومی وملکی خزانے لوٹنے والوں اور بیرونی ایجنڈا پورا کرنے والوں کے دن قریب آچکے ہیں ،انہوں نے کہا کہ عقیدہ ختم نبوت سے نئی نسل کو روشناس کرانے کے لئے تعلیمی اداروں کو اپنا کردار ادا کرنا چاہئے۔بعدازاں عبداللطیف خالد چیمہ نے مجلس احرار اسلام سندھ کے امیر مفتی عطاء الرحمٰن قریشی کی صدارت میں منعقدہ احرار کارکنوں کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ذوالفقار علی بھٹو مرحوم نے قوم کو متفقہ آئین دیا تھا جس میں درج ہے کہ کوئی غیر مسلم پاکستان کا صدر یا وزیر اعظم نہیں بن سکتا،لیکن پیپلز پارٹی کے موجودہ چیئر مین اور بھٹو مرحوم کے نواسے جناب بلاول بھٹو زرداری فرمارہے ہیں کہ''کوئی غیر مسلم پاکستان کا صدر کیوں نہیں بن سکتا؟''۔اس پر عبداللطیف خالد چیمہ نے کہا کہ 1973ء کے متفقہ آئین کو متنازع بنانے والے دراصل قادیانیوں کو مسلمانوں کی صفوں میں لانا چاہتے ہیں ،لیکن وہ اس کا خیال دل سے نکال دیں،عبداللطیف خالد چیمہ نے کارکنوں پر زور دیا کہ وہ جماعت کی نئی رکنیت ومعاونت سازی کے عمل کو تیز کریں اور عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کی آئینی اور پر امن جدو جہد کو ملکی وعالمی سطح پر پھیلانے میں اپنا کردار ادا کریں اس موقع پر شرکاء نے اس عزم کا اظہار کیا کہ وہ 30۔جولائی تک جاری رہنے والی رکنیت ومعاونت سازی کے عمل کو پورے کراچی میں پھیلائیں گے،انہوں نے کہا کہ ناموس رسالت کا نکتہ وجہ اتحاد ہے،شہید ناموس رسالت ممتاز قادری کے مقدس خون کے صدقے اس کی خوشبوئیں دنیا میں پھیلیں گی اور دنیا جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گستاخوں کو کبھی معاف نہیں کرے گی۔بعدازاں وہ لاہور روانہ ہوگئے۔

❁❁❁

محمد اعجاز مصطفیٰ

لبرل ازم کا محرک کون؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

ہمارا ملک ایک عرصہ سے دہشت گردی کی زد میں ہے۔ ۱۷؍جمادی الاخریٰ ۱۴۳۷ھ مطابق ۲۷؍مارچ ۲۰۱۶ء بروز اتوار شام کے وقت گلشن اقبال پارک لاہور میں خودکش دھماکا ہوا جس میں ۷۰؍افراد شہید اور ساڑھے تین سو سے زائد زخمی ہوگئے۔ ہر طبقہ فکر کے لوگوں نے اس دھماکا کی پرزور مذمت، غمزدہ خاندانوں سے اظہار ہمدردی اور اس واقعہ میں ملوث افراد کو کیفر کردار تک پہنچانے کا مطالبہ کیا، لیکن اپنے سے اس ملبہ کو ہٹانے اور اس واقعہ کو مذہبی طبقے کی طرف رخ دینے کی ناکام کوشش کی گئی اور کہا گیا کہ خودکش حملہ آور کا نام محمد یوسف ہے اور اس کا شناختی کارڈ بھی ملا ہے۔ یہ تو اللہ بھلا کرے اس کے زخمی ساتھی محمد یعقوب کا جس نے اس پورے پلان پر پانی پھیر دیا۔ بہرحال یہ سب کچھ کیوں ہو رہا ہے؟ کون کر رہا ہے؟ کس کے حکم پر ہو رہا ہے؟ یہ سب کچھ ملک کے نامور صحافی اور روزنامہ جنگ کے کالم نگار محترم جناب انصار عباسی صاحب نے ۲۸؍مارچ ۲۰۱۶ء کو اپنے کالم بنام ''امریکی پالیسی پیپر نے لبرل ازم کے اصل ایجنڈے کو بے نقاب کر دیا'' میں تفصیل سے بیان کیا ہے لیجئے آپ بھی اس کو پڑھیے اور سر دھنئے:

''امریکا اسلام کو کس شکل میں ڈھالنے کا خواہاں ہے اور کن کن ذرائع، پالیسیوں اور سوچ کے ذریعے اپنے من پسند اسلام کا فروغ دنیا میں کر رہا ہے، اس پر کسی سازشی تھیوری یا تجزیہ کی بجائے آئیں ذرا اس دستاویز پر ہی نظر دوڑا لیتے ہیں جو اس امریکا و یورپ کی پالیسی کا "Focus" ہے اور جسے امریکا و یورپ اسلامی ممالک پر مسلط کرنے کے لیے پورے طریقے سے سرگرم ہیں۔ میری تو قارئین کرام کے ساتھ ساتھ ہمارے سیاسی مذہبی راہنماؤں، فوج اور سیکورٹی ایجنسیوں کے اعلیٰ افسران، پارلیمنٹ کے ممبران اور حکمرانوں کے علاوہ میڈیا کے بڑوں سے بھی گزارش ہوگی کہ اس دستاویز کا ضرور مطالعہ کریں تاکہ لبرل ازم اور جدت پسندی کے اس بخار کی وجہ کو بھی سمجھا جا سکے جو آج کل کئی دوسرے اسلامی ملکوں کے علاوہ ہمارے حکمرانوں و میڈیا کو بھی چڑھا ہوا ہے اور جہاں اسلام کے نفاذ اور شریعت کی بات کرنے والوں کو بنیاد پرستی اور شدت پسندی کے ساتھ جوڑ دیا جاتا ہے۔ آپ اس رپورٹ کو اس لیے بھی پڑھ کر حیران ہوں گے کہ کس طرح ایک پالیسی کے تحت مسلمانوں کو آپس میں لڑایا جا رہا ہے تاکہ امریکا کے ورلڈ آرڈر اور مغربی تہذیب کو اسلامی ممالک میں بھی لاگو کیا جا سکے جس کے لیے اسلام کے اصل کو بدلنا شرط ہے۔ اس رپورٹ کو پڑھ کر اپنے اردگرد ان چہروں کو پہچاننے کی بھی کوشش کریں جو اسلام کو امریکا کی خواہش کے مطابق بدلنا

چاہتے ہیں۔ رینڈ کارپوریشن "Rand Corporation" امریکا کا ایک اہم ترین تھنک ٹینک ہے جو امریکی حکومت کے لیے پالیسیاں بناتا ہے۔ نائن الیون کے بعد رینڈ کارپوریشن کی نیشنل سیکورٹی ریسرچ ڈویژن نے "Civil Democratic Islam Partners, Resources & Strategies" کے عنوان سے ۷۲ صفحات پر مشتمل ایک پالیسی پیپر تیار کیا جسے انٹرنیٹ پر اس تھنک ٹینک کی ویب سائٹ پر پڑھا جاسکتا ہے۔ اس پالیسی پیپر کے ابتدا ہی میں بغیر کسی لگی لپٹی یہ لکھا گیا کہ امریکا اور ماڈرن انڈسٹریل ورلڈ کو ایسی اسلامی دنیا کی ضرورت ہے جو مغربی اصولوں اور رولز کے مطابق چلے جس کے لیے ضرورت اس امر کی ہے کہ مسلمانوں میں موجود ایسے افراد اور طبقہ کی پشت پناہی کی جائے جو مغربی جمہوریت اور جدیدیت کو ماننے والے ہوں۔ ایسے افراد کو کیسے ڈھونڈا جائے؟ یہ وہ سوال تھا جس پر رینڈ کارپوریشن نے مسلمانوں کو چار "Categories" میں تقسیم کیا۔ پہلی قسم بنیاد پرست "Fundamentalists" جن کے بارے میں رینڈ کارپوریشن کہتا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو مغربی جمہوریت اور موجودہ مغربی اقدار اور تہذیب کو ماننے کی بجائے اسلامی قوانین اور اسلامی اقدار کے نفاذ کے خواہاں ہیں۔ دوسری قسم قدامت پسند "Traditionalists" مسلمانوں کی ہے جو قدامت پسند معاشرہ چاہتے ہیں کیونکہ وہ جدیدیت اور تبدیلی کے بارے میں مشکوک رہتے ہیں۔ رینڈ کارپوریشن کے مطابق تیسری قسم ایسے مسلمانوں کی ہے جنھیں جدت پسندی "Modernists" کا نام دیا گیا جو بین الاقوامی جدیدیت "Global Modernity" کا حصہ بننا چاہتے ہیں اور اس سلسلے میں اسلام کو بھی جدید بنانے کے لیے اصلاحات کے قائل ہیں۔ چوتھی قسم ہے سیکولر مسلمانوں "Secularists" کی جو اسلامی دنیا سے توقع رکھتے ہیں کہ وہ بھی مغرب کی طرح دین کو ریاست سے علیحدہ کردیں۔

پہلی قسم کا حوالہ دیتے ہوئے امریکی تھنک ٹینک کا اسٹریٹیجک پیپر لکھتا ہے کہ بنیاد پرست امریکا اور مغرب کے بارے میں مخالفانہ رویہ رکھتے ہیں۔ رپورٹ کے "Foolnotes" میں مرحوم قاضی حسین احمد اور جماعت اسلامی کا حوالہ بنیاد پرستوں کے طور پر دیا گیا اور یہ بھی تسلیم کیا گیا کہ ضروری نہیں کہ "Fundamentalists" دہشت گردی کی بھی حمایت کرتے ہوں۔ اس رپورٹ نے امریکی حکمرانوں کو تجویز دی کہ بنیاد پرست مسلمانوں کی حمایت کوئی آپشن نہیں۔ قدامت پسند مسلمان رینڈ کارپوریشن کی رپورٹ کے مطابق اگرچہ اعتدال پسند ہوتے ہیں لیکن ان میں بہت سے لوگ بنیاد پرستوں کے قریب ہیں۔ امریکی پالیسی رپورٹ کے مطابق اعتدال پسندوں میں یہ خرابی ہے کہ وہ دل سے جدت پسندی کے کلچر اور مغربی ویلیوز کو تسلیم نہیں کرتے۔ جدت پسند اور سیکولر مسلمانوں کے بارے میں رپورٹ کا کہنا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو مغربی اقدار اور پالیسیوں کے قریب ترین ہیں، لیکن رینڈ پالیسی رپورٹ کے مطابق یہ دونوں طبقے "Secularists Modernists" مسلمانوں میں کمزور ہیں اور نہ ان کو زیادہ حمایت حاصل ہے اور نہ ہی ان کے پاس مالی وسائل اور موثر انفرااسٹرکچر موجود ہے۔

پالیسی رپورٹ نے اسلامی دنیا میں مغربی جمہوریت، جدت پسندی اور ورلڈ آرڈر کے فروغ اور نفاذ کے لیے کئی تجاویز

دیں اور کہا کہ امریکا اور مغرب کو بڑی احتیاط کے ساتھ یہ فیصلہ کرنا ہے کہ اسلامی ممالک اور معاشروں میں کن افراد، کیسی قوتوں اور کیسے رجحانات کو مضبوط بنانے میں مدد دینی ہے تاکہ مقررہ اہداف حاصل ہو سکیں۔ ان اہداف کے حصول کے لیے امریکا و یورپ کو پالیسی دی گئی کہ وہ جدت پسندوں "Modrnists" کی حمایت کریں، اس طبقہ کے کام کی اشاعت اور ڈسٹری بیوشن میں مالی مدد کریں، ان کی حوصلہ افزائی کریں کہ وہ عوام الناس اور نوجوانوں کے لیے لکھیں، ایسے جدت پسند نظریات کو اسلامی تعلیمی نصاب میں شامل کریں، جدت پسندوں کو پبلک پلیٹ فارم مہیا کریں، بنیاد پرست اور قدامت پرست مسلمانوں کے برعکس جدت پسندوں کی اسلامی معاملات پر تشریحات، رائے اور فیصلوں کو میڈیا، انٹرنیٹ، اسکولوں، کالجوں اور دوسرے ذرائع سے عام کریں، سیکولرازم اور جدت پسندی کو مسلمان نوجوانوں کے سامنے متبادل کلچر کے طور پر پیش کریں، مسلمان نوجوانوں کو اسلام کے علاوہ دوسرے کلچرز کی تاریخ پڑھائیں، سول سوسائٹی کو مضبوط کریں۔ اس کے ساتھ ساتھ اس پالیسی میں امریکا و یورپ کو یہ بھی تجویز دی گئی کہ قدامت پسندوں کو بنیاد پرستوں کے خلاف سپورٹ کریں، ان دونوں طبقوں کے درمیان اختلافات کو ہوا دیں، پوری کوشش کریں کہ بنیاد پرست مسلمان اور قدامت پرست آپس میں اتحاد نہ قائم کر سکیں، قدامت پسندوں کی دہشت گردی کے خلاف بیانات کو خوب اجاگر کریں، بنیاد پرستوں کو اکیلا کرنے کے لیے کوشش کریں کہ قدامت پسند اور جدت پسند آپ میں تعاون کریں، جہاں ممکن ہو قدامت پسندوں کی تربیت کریں تاکہ وہ بنیاد پرستوں کے مقابلہ میں بہتر مکالمہ کر سکیں، بنیاد پرستوں کی اسلام کے متعلق سوچ کو چیلنج کریں، بنیاد پرست طبقوں کا غیر قانونی گروہوں اور واقعات سے تعلق کو سامنے لائیں، عوام کو بتائیں کہ بنیاد پرست حکمرانی کر سکتے اور نہ اپنے لوگوں کو ترقی دلوا سکتے ہیں، بنیاد پرستوں میں موجودہ شدت پسندوں کی دہشت گردی کی بزدلی سے جوڑیں۔ اس پالیسی رپورٹ میں یہ بھی تجویز دی گئی کہ بنیاد پرستوں کے درمیان آپ کے اختلافات کی حوصلہ افزائی کریں۔ بنیاد پرستوں کو مشترکہ دشمن کے طور پر لیا جائے۔ رینڈ کارپوریشن نے اپنی پالیسی رپورٹ میں امریکا و یورپ کو یہ بھی تجویز دی کہ اس رائے کی حمایت کی جائے کہ ریاست اور مذہب کو جدا کیا جائے اور اسے اسلامی طور پر بھی صحیح ثابت کیا جائے اور یہ بھی مسلمانوں کو بتایا جائے کہ اسلام کو ریاست سے جدا کرنے سے ان کا ایمان خطرہ میں نہیں پڑے گا بلکہ مزید مضبوط ہوگا''۔ (روزنامہ ''جنگ'' کراچی، ۲۸/ مارچ ۲۰۱۶ء)

اللہ تعالیٰ ہمارے ملک کی حفاظت فرمائے، اس کے دشمنوں کو ناکام بنائے اور ہم سب کو اسلام اور پاکستان کی حفاظت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وصلی اللّٰہ تعالیٰ علی خیر خلقہٖ سیدنا محمد وعلی آلہٖ وصحبہٖ أجمعین

(مطبوعہ: ہفت روزہ ''ختم نبوت'' کراچی، ۱۶ تا ۲۲/ اپریل ۲۰۱۶ء)

پروفیسر خالد شبیر احمد

نفاق وافتراق ہے، شدید خلفشار ہے

دین اسلام نے کیا کچھ نہیں دیا۔ کاش ہم دین اسلام کی راہ پر چلتے لیکن ہم نے تو زندگی کے ہر ایک پہلو میں خواہ وہ معاشی ہو یا پھر سیاسی، تمدنی ہو یا پھر اخلاقی، اسلام سے عملی بغاوت کر کے اپنے آپ کو نفاق وافتراق کی بے پناہ گہرائیوں میں گرالیا ہے۔ اس وقت ہمارے ملک کی جو صورت حال ہے اس کو نثر میں بیان کرنا قدرے مشکل نظر آتا ہے۔ شدت احساس کی عکاسی اشعار کی صورت میں مزید واضح ہو کر سامنے آتی ہے اور بہتر طور پر اندازہ کیا جاسکتا ہے ملکی حالات کیا رخ اختیار کر رہے ہیں۔ اور ہمارے ملک کے اندر کیا صورت حال ہے۔

خزاں چمن پہ چھا گئی بہار اشک بار ہے — ادھر بھی انتشار ہے ادھر بھی انتشار ہے
پھول پھول وادیاں زمیں میں دب کے رہ گئیں — بشر بشر الم زدہ ہے شہر سوگوار ہے
قدم قدم پہ کربلا ادھر لہو ادھر لہو — برس پڑا فلک سے خوں زمیں خوں فشار ہے

آخری امت کو نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو پیغام پہنچایا تھا وہ ہماری عملی زندگی کے لیے ہر لحاظ سے باعثِ خیر و برکت تھا۔ قرآنِ مجید خالق کائنات کی طرف سے گراں قدر عطیہ تھا اور آج بھی ہے جس کے مسلمہ اور فطری اصول جس طرح اس وقت مؤثر تھے آج بھی ہیں۔ قرآن پاک کی ایک آیت کا ترجمہ اس طرح ہے:

''تم ان لوگوں کی طرف نہ ہو جانا جو واضح ہدایات کے باوجود تفرقہ اور
اختلاف کا شکار ہوئے اور عذاب عظیم میں مبتلا ہو گئے''

اتفاق واتحاد جس طرح گھر سے لے کر ملکی سطح اور بین الاقوامی سطح تک باعثِ عزت وافتخار ہے اسی طرح نفاق و افتراق باعثِ ندامت و زحمت ہوتا ہے۔

ملک کے اندر جب اتفاق، یکجہتی، تعاون اور حسنِ سلوک نہ رہے تو ایسے ہی مسائل پیدا ہو جاتے ہیں جن سے ہمارا ملک جو بڑی جدوجہد اور قربانیوں سے بنا تھا گزر رہا ہے۔ ایسے حالات میں سب سے بڑا نقصان قومی سطح پر ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ منزل نظر سے اوجھل ہو جاتی ہے۔ یہ یاد نہیں رہتا کہ ہم کس منزل کے راہی تھے کن مقاصد کے حصول کے لیے کس طرف چلے تھے اور کدھر کو ہم نے منہ کر لیا ہے۔

اس وقت ہمارا قومی المیہ یہ ہے کہ ہم قیام پاکستان کے مقاصد کو بالکل نظر انداز کر چکے ہیں۔ لاطینی امریکہ کے ملک پاناما سے جو فتور آف اشور کمپنیوں کے عنوان سے ایک طوفان کی صورت اٹھا ہے اس نے ہمارے ملک کو بھی پوری

طرح اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے اور اس پر ستم بالائے ستم یہ ہے کہ اس طوفان کا مقابلہ کرنے کے لیے ہم سر جوڑ کر ایک دوسرے پر اعتماد کرتے ہوئے اس کا کوئی حل نہیں کرتے۔ ہمارے سیاست دانوں نے اپنے اپنے مفادات کے لیے اپنے جماعتی مفاد، ذاتی اغراض کے لیے فائدہ اٹھانے کا موقعہ سمجھ کر ایک دوسرے کے خلاف اپنے آپ کو صف آرا کر لیا ہے۔ یعنی ملکی مفاد کو پس پشت ڈال کر ذاتی مفاد کے حصول کے ذریعہ بنا لیا ہے۔ اس کی وجہ صرف ایک ہے کہ ہمارے سیاست دانوں نے قیام پاکستان کے مقاصد کو سرے سے قبول ہی نہیں کیا۔ ایسے حالات پیدا کرنے کی ہر کوشش کرتے ہیں جس کے ذریعے وہ مقاصد عوام کی نظروں سے اوجھل ہو جائیں۔ جس کے بعد ہم سیاست کے میدان میں جو چاہیں کرتے رہیں۔ حالانکہ حقیقت یہی ہے کہ قیام پاکستان سے پہلے پاک و ہند کے مسلمانوں کا مقصد محض قیام پاکستان نہیں تھا بلکہ مقاصد کے حصول کی ایک اہم اور بنیادی ضرورت تھی۔ جس کے ذریعے وہ اپنا ملی تشخص برقرار رکھنا چاہتے تھے اور اس تشخص کے تقاضے کے تحت پاکستان کے اندر اسلام کے نفاذ اور اتحاد بین المسلمین کی منزل تک پہنچنا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ نہ تو حزب اقتدار کو اپنی ذمہ داریوں کا احساس ہے نہ حزب اختلاف کو۔ قومی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو یہ دونوں سیاسی دھڑے یکساں طور پر اس شدید اختلاف کو دیدہ و دانستہ پیدا کرنے کے مجرم ہیں۔ ہمارے ملک کی سیاسی جماعتیں شاید اب سیاسی جماعتیں نہیں رہیں ایسے معلوم ہوتا ہے کہ دورِ جاہلیت کے دو قبائل ہیں جو ایک دوسرے سے سر بگریباں ہیں۔ نہ انھیں اپنی عزت اور نیک نامی کا خیال ہے اور نہ ہی ملکی وقار و شہرت کا کچھ دھیان۔ اقتدار کی کرسی ہلا کر اقتدار والوں کو گرانے کی کوشش نے اقتدار والوں کو محض اور صرف اپنی کرسی بچانے کے لیے مجبور کر دیا ہے۔ نہ صاحبِ اقتدار کو اپنے فرائض کا احساس ہے نہ حزب اختلاف کو۔ اور احساس ہو بھی تو کیونکر کہ انھیں تو پاکستان کی نعمت مفت مل گئی ہے۔ ان لوگوں کے اسلاف نے پاکستان کے قیام کے لیے کونسی قربانی دی ہے کہ یہ احساس ان میں پیدا ہو سکے۔ دونوں دھڑوں کو اس بات کی کیا پرواہ ہے کہ ان کی اس سرد جنگ کے اس ملک اور ملک کے عوام کے لیے کیا مشکلات اور کیا مسائل پیدا ہو سکتے ہیں اور ملک وقوم کے لیے کس قدر خطرناک صورت کا باعث بن سکتے ہیں۔ بلکہ حد تو یہ ہے کہ اسے جمہوریت کا حسن قرار دیا جا رہا ہے۔ کیا یہی جمہوریت کا حسن ہے کہ ایک دوسرے کے لیے مصیبت بن جاؤ۔ اجتماع، دھرنے، ہڑتالیں، راستے روک کر عوام کے لیے مشکلات پیدا کرنا، پھر جماعتیں تبدیل کرنا کبھی کسی جماعت سے اتحاد کر لینا اور اس اتحاد کو توڑ کر کسی دوسری جماعت سے کر لینا۔ اپنے ذاتی مفاد کے لیے ایک جماعت کو طلاق دے کر دوسری جماعت سے نکاح کر لینا کیا اسی کا نام جمہوریت ہے۔ دنیا میں جہاں کہیں بھی جمہوریت ہے کیا وہاں پر یہی کچھ ہوتا ہے جو ہمارے ملک کی سیاست میں اس وقت ہو رہا ہے۔

دراصل مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے سیاست دانوں کی اس مفاداتی سیاست نے اب عوام کے اندر دین سے دوری ہی نہیں بلکہ حب الوطنی کے جذبے کو بھی سرد کر دیا ہے۔ یہ سیاست دان دینی ذہن رکھتے ہیں اور نہ ہی ان میں جذبہ حب الوطنی موجود ہے۔ یہ سیاسی قیادت کا وہ تحفہ ہے جو انھوں نے اپنے عمل سے پاکستان کو عطا فرمایا ہے اور یہ صورت حال اس بات کی گواہی دے رہی ہے کہ ہمارے سیاست دان خلفشار، نفاق، حرص و ہوس اور مفادات کی دلدل میں اس قدر پھنس چکے ہیں کہ اس دلدل سے ان کا نکلنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے ایسے حالات میں ہمیں یہی کہنا پڑتا ہے کہ

کیسا وقارِ زیست پہ آیا زوال ہے　　　قحط الرجال ہے یہاں قحط الرجال ہے
لابہ گروں کی زد پہ ہے تاج و سریر آج　　　رہبر ہوئے ہیں گورکن اب ایسا حال ہے
اقبال تیرے خواب کی دنیا اجڑ گئی　　　خطہ تیرے خیال کا رو بہ زوال ہے
ننگِ وطن ہی ان دنوں عزت مآب ہیں　　　ہر عیب ہے، عروج پہ حزن و ملال ہے
دکھ زندگی کے روح کی تہہ تک اتر گئے　　　جینا محال ہے مجھے مرنا محال ہے
شیریں سخن نہیں ہو تمہیں ایک واعظو　　　سالوسِ بد نصیب بھی شیریں مقال ہے
شاخِ وطن کو چاہیے خونِ رگِ حسینؓ　　　رمزِ حسینیت میں ہی اوج و کمال ہے
خالدؔ تیرے کلام میں ہے اس لیے گداز　　　محور تیری نگاہ کا سوزِ بلال ہے

found.

عاصم حفیظ

پاکستانی میڈیا کا ''اپریل فول'' اور ہمارا ثقافتی فقدان

پاکستانی قوم کو مبارک ہو کہ اور کسی نے منایا ہو یا نہ منایا ہو، ملک کے روشن خیال اور روایت ساز میڈیا نے خوب دھوم دھڑکے سے ''اپریل فول'' نامی تہوار منایا ہے۔ ملک کے بڑے میڈیا نیٹ ورک ''اے آر وائی نیوز'' اور ''نیو چینل'' کی جانب سے کرکٹ ورلڈ کپ سیمی فائنل کے حوالے سے جھوٹی خبریں چلائی گئیں اور بعدازاں انہیں اپریل فول قرار دے دیا گیا۔ گویا میڈیا لوگوں کو یہ یاد کرانے میں کامیاب رہا کہ آج ایک اپریل فول نامی تہوار بھی ہے۔ اسے کہتے ہیں توجہ مبذول کرانا۔ کہیں کوئی بھول نہ جائے۔ کسی قوم میں من پسند روایات اور رسوم و رواج کس طرح پروان چڑھائے جاتے ہیں یہ تو کوئی پاکستانی میڈیا سے ہی سیکھے۔ ہر مغربی و بھارتی تہوار، ثقافتی تقریب کو روشن خیالی کے نام پر اپنا لیا جاتا ہے۔ ویلنٹائن ڈے، نیو ائیر نایٹ اور ایسے کئی تہوار اور دن ہیں کہ جو میڈیا نے ملک میں اہم بنا دیئے ہیں۔ ویسے تو اب ہماری حکومت اور ریاستی ادارے بھی لبرل و سیکولرازم کے جھنڈے کی سربلندی کے لئے ایک دوسرے سے بڑھ کر سرگرمیاں دیکھا رہے ہیں۔ ملکی تاریخ میں پہلی مرتبہ ایک صوبے نے ہندو تہوار کی عام تعطیل کی۔ اقلیتوں کے حقوق سے کسی کو انکار نہیں لیکن یہ کہاں کا انصاف ہے کہ ان کی عبادات میں گھس کر ہی اظہار کیا جائے۔ پیپلز پارٹی کے شریک چیئر مین جناب بلاول بھٹو زرداری ہر سال ہولی کی تقریب پر اپنی اس خواہش کا اظہار ضرور کرتے ہیں کہ ملک کا صدر کسی غیر مسلم کو بنایا جائے۔ اب تو کئی حلقے اس بات کا اظہار کرنے لگے ہیں کہ جتنی محنت اور وسائل ہمارے حکومتی ادارے، ریاستی مشینری، این جی اوز، میڈیا اور دیگر روشن خیال طبقے ملک کو سیکولر اور لبرل بنانے پر خرچ کر رہے ہیں اس کا بہترین حل یہ ہے کہ فوری طور پر ملک کو کسی مغربی ریاست کا صوبہ وغیرہ قرار دیکر وہیں کے رسوم و رواج اور قوانین نافذ کر دیئے جائیں۔ تا کہ ایک دم سے وہ منزل حاصل ہو جائے کہ جس کے لئے یہ سب طبقات دن رات محنت میں مصروف ہیں۔ سنا تو یہی ہے کہ کوئی بھی قوم اپنی رسوم و رواج اور روایات سے ہی پہچانی جاتی ہے لیکن ہمارے ہاں تو چلن ہی الگ ہے۔ یہاں اپنی دینی، سماجی اور ثقافتی رسوم و رواج اور روایات کو پروان چڑھانے کی بجائے ہر کوئی دوسروں کی رسومات میں گھسنے کی کوششوں میں مصروف ہے۔ شائد اتنے زور و شور سے تو یہ سب تہوار وہاں بھی نہ منائے جاتے ہوں گے کہ جن کی تقلید میں ہمارے ہاں منائے جاتے ہیں۔ اسے کہتے ہیں ثقافتی اور سماجی بحران۔ ہماری قومی شناخت اور ثقافتی پہچان تو جیسے مٹ ہی چکی ہے۔

شائد ہمارے پاس اب کچھ بھی نہیں، نہ اپنی ثقافت، نہ اپنے تہوار، نہ اپنی رسومات، نہ اپنی روایات۔۔۔ کچھ بھی تو نہیں!

شاہ بلیغ الدین رحمۃ اللہ علیہ

مدبّرِ اعظم ......سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

اکتالیس سال جسے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی حکمرانی بخشی اور پھر خیر القرون سے متصل یعنی سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے بالکل بعد کے دور میں جسے گورنری اور امارت کا منصب نصیب ہوا اس کی عظمت کا کیا ٹھکانہ ہے۔ اس جلیل القدر فرزند اسلام کے دور میں جہاد کا ٹوٹا ہوا سلسلہ پھر قائم ہوا۔ لا الٰہ کا پرچم بلند ہوتا رہا، مالِ غنیمت، سلطنت کے اطراف سے بیت المال میں آتا رہا اور مسلمانوں نے راحت وآرام اور عدل وانصاف سے زندگی بسر کی۔

صحیح بخاری کتاب الایمان اور صحیح مسلم کتاب الاقضیہ کی حدیث ہے کہ فتحِ مکہ کے موقع پر نبیِ قبلتین صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے اس امیر اور ان کے خیمے میں رہنے والے سب افراد کو اپنا محبوب قرار دیا۔ جامع ترمذی باب المناقب میں ہے کہ مسلمانوں کے اس امیر کے لیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اے اللہ! تو اسے ہدایت دینے والا اور ہدایت پانے والا بنا اور اس کے ذریعے دوسروں کو ہدایت دے۔ ان کی بہن حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی، ان کے والد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بچپن اور جوانی کے گہرے دوست اور فتح مکہ کے بعد اسلامی مملکت میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کردہ اوّلین گورنر تھے۔ یہ خود کاتبِ وحی اور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے اہم ترین فرامین کے لکھنے والے ہیں! حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے بڑے داماد حضرت ابوالعاص اور ذوالنورین عثمان رضی اللہ عنہما کے وہ قریبی عزیز تھے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ہم زلف اور ان کی بہن حضرت زینب کی بیٹی امِ محمد کے محترم خسر تھے۔ اللہ نے انھیں دل ودماغ کی غیر معمولی خوبیاں دے رکھی تھیں۔ اسلام کے مدبّروں میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ فاروق اعظم (رضی اللہ عنہ) جیسی شخصیت نے فرمایا کہ قیصر وکسریٰ کے درباروں کے بڑے بڑے مدبر، ان کے سامنے کچھ نہیں تھے، اللہ نے اتنا ٹھنڈا مزاج دیا تھا کہ دوسروں کی زبان سے گالیاں سن کر بھی بھڑکتے نہ تھے بلکہ طنز کا جواب دلجوئی سے دیتے تھے۔ حلم نبیوں کی بہترین صفتوں میں سے ایک صفت ہے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام میں اس صفت کے لیے وہ بہت سوں سے ممتاز تھے۔ سرورِ کائنات کے بعد تو لوگ انھیں حلم کا نمونہ سمجھتے تھے۔ گالی دینے والوں کا منہ بھی انھوں نے موتیوں سے بھر دیا۔ ان کی فکر بڑی مرتب اور نظر گہری بھی تھی وسیع بھی تھی۔ کوئی شخص اپنی بات شروع کرتا تو وہ فوراً اس کا مدعا بھانپ لیتے تھے۔

البدایہ والنہایہ میں ہے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فاتح ایران فرماتے تھے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد میں نے ان سے بڑھ کر کسی کو حق پر فیصلہ کرنے والا نہ پایا۔ ابواسحٰق سُبیعی کہتے تھے کہ: اگر تم نے ان کو دیکھا یا

ان کا زمانہ پالیا ہوتا تو عدل وانصاف کی وجہ سے تم ان کو مہدی کہتے۔ امام اعمش انھیں المصحف پکارتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے تھے کہ وہ فقیہ تھے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ جس شخص کے لیے خیر کا ارادہ کرتا ہے اسے دین کی سمجھ دیتا ہے یعنی فقیہ بنا دیتا ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں جنت کی بشارت دی تھی۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک پیشگوئی کو انھوں نے پورا کیا۔ ان کی سرداری اور اسلامی شوکت کا نظارہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا کے گھر خواب کی حالت میں دکھلایا۔ مالک الملک نے عقل اور ایمان کی دولت کے ساتھ ساتھ انھیں بڑی دلفریب اور وجیہ شخصیت بھی عطا فرمائی تھی۔ اونچا پورا قد تھا۔ سرخ وسفید رنگت۔ چہرہ بڑا باوقار لہجہ متین اور باتیں بڑی سیانی کرتے تھے۔ ابنِ طباطبا نے اپنے کتاب الفخری میں لکھا ہے کہ وہ فرزانہ وعالم تھے! حلیم اور باجبروت حکمران تھے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس سے انھیں بے انتہا محبت تھی۔ اصابہ استیعاب اور تاریخ کامل میں ہے کہ مرنے لگے تو وصیت کی کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کپڑے کا ایک ٹکڑا عطا فرمایا تھا پھر ایک بار اپنے بال اور ناخن عطا فرمائے تھے۔ میرے کفن میں وہ کپڑے ملا دینا، ناخن اور موئے مبارک میری آنکھوں، منہ اور سجدے جگہوں پر رکھ کر مجھے قبر کے حوالے کر دینا۔ امام ابنِ تیمیہ، ابوبکر ابن العربی اور رضا شاہ خان بریلوی انھیں خلیفۂ راشد کہتے ہیں۔

یہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تھے جن کا انتقال ۷۸ برس کی عمر میں ۲۲ رویں رجب ۶۰ھ کی رات کو ہوا۔ اس مدبرِ اعظم کی وفات پر آج بھی تخریب کار چھپ چھپ کر کونڈے بھرتے اور مٹھائیاں تقسیم کرتے ہیں۔

(مطبوعہ: طوبیٰ)

پروفیسر محمد حمزہ نعیم

ذرا ہمت سے کام لیں!

سردار جی مچھر دانی لگائے لیٹے ہی تھے کہ انھیں باہر ایک جگنو نظر پڑا۔ وہ فوراً چیخے ''واہ گرو جی! مجھے اس ظالم سے بچاؤ، اب تو یہ مجھے ٹارچ لے کر ڈھونڈ رہا ہے۔ میں نے پورے ایک ہزار کی مچھر دانی خریدی ہے مگر یہ میری طرف ہی آ رہا ہے۔'' جگنو کو ڈینگی مچھر سمجھنے والے سردار کی طرح آج مسلمان ہر روشن چیز کو سپریم طاقتوں کا ایٹم بم سمجھ رہا ہے۔ کاش اس کا تعلق سپریم طاقتوں کے اوپر کی سپر طاقت کے ساتھ ہوتا تو یہ اس طرح یَحْسَبُوْنَ کُلَّ صَیْحَةٍ عَلَیْھِمْ کا شکار نہ ہوتا۔ ''زندگی اللہ کی امانت ہے'' اور یہ امانت کوئی دوسرا نہیں چھین سکتا۔ سپریم طاقت کا اعلان ہو رہا ہے لَا یَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا یَسْتَقْدِمُوْنَ'' جب ہمارا حکم، موت کا معیّن وقت آجاتا ہے تو نہ ایک گھڑی تاخیر ہوتی ہے نہ ایک گھڑی موت پہلے آسکتی ہے۔'' موت کا بہرحال ایک وقت معین ہے لیکن بقول مجاہد ملت سلطان ٹیپو شہید رحمۃ اللہ علیہ ''شیر کی ایک دن کی زندگی گیڈر کی سو سالہ زندگی سے بہتر ہے'' سلطان شہید ہو چکا تھا مگر نزع کے عالم میں جب ایک انگریز نے ان کی تلوار اتارنی چاہی تو وہ سلطان سے تلوار نہیں لے سکا۔ آخری دموں پر ٹیپو شہید نے اسے زخمی کر دیا تھا اور وہ ایسے بھاگا تھا کہ پھر مڑ کر نہ دیکھا اور سلطان کی شہادت کے کئی گھنٹوں بعد تک اس کے قریب کوئی نہ آسکا۔ جن لوگوں نے سلطان سے غداری کی تھی انھیں بڑے عہدوں اور انعامات کا لالچ تھا مگر ان کی درخواست یہ کہہ کر رد کر دی گئی کہ تم نے اپنوں کے ساتھ وفا نہیں کی ہمارے ساتھ کیا کرو گے۔؟ ''سید دو عالم آقا مدنی صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب یافتہ ''اللہ کی تلوار'' کفر اور کافروں کو ملیا میٹ کرتے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ آگے بڑھتے جا رہے تھے۔ ایک موقع پر ایک بڑا کافر سردار گرفتار کر کے پیش کیا گیا۔ اس کے ساتھ اس کا ایک غلام بھی تھا۔ جس کے ہاتھ میں ایک بڑی شیشی میں کوئی چیز تھی۔ اس نے پوچھنے پر بتایا کہ یہ نہایت مہلک قسم کا زہر ہے، کئی خاندانوں اور نسلوں کے لیے یہ کافی ہے۔ یہ میرے آقا ہیں اور میں ان کا غلام ہوں۔ میں نے آقا کا نمک کھایا ہے اب یہ فیصلے کے لیے آپ کے سامنے پیش ہے اگر آپ نے ان کے حق میں کوئی عزت والا فیصلہ نہ کیا تو میں نے سوچا ہے کہ آقا کی ذلت دیکھنے سے پہلے یہ سم قاتل پی کر موت کو گلے لگا لوں گا۔''

خالد سیف اللہ نے اس کے ہاتھ سے سم قاتل کی شیشی لے لی اور اللہ کا نام بلند کرتے ہوئے ساری شیشی اپنے حلق میں انڈیل دی۔ ''موت اور حیات میرے اللہ کے ہاتھ میں ہے، جب یہ زہریلے دشمن ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکے تو یہ چند قطروں کی شیشی ہمارا کیا بگاڑ لے گی'' لوگوں نے حیرت زدہ نگاہوں سے سیف الٰہی پر نظر ڈالی، انھیں کوئی گزند نہ پہنچ سکا تھا۔ اور زہر ہلاہل کو موت سمجھنے والا غیر تمند کافر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پڑھ کر اسلام کی حیاتِ جاودانی پا گیا۔

پھر اللہ کی یہ تلوار علاقوں کے علاقے فتح کرتی ہوئی مقررہ وقت پر سفرِ آخرت کی تیاری کے لیے بستر پر نظر آئی۔ سیدنا سیف اللہ خالد بستر وفات پر آنسو بہا رہے تھے، ان کے مجاہد ساتھی کہنے لگے ''خالد موت سے ڈر گیا'' جواب دیا ''یہ بات نہیں۔ میرے جسم کا کوئی حصہ زخم سے خالی نہیں۔ میری خواہش تھی مجھے شہادت کی موت نصیب ہو، میں اس لیے رو رہا ہوں کہ بستر پر موت آ رہی ہے۔'' موت شہادت کی ہو یا دینی غیرت کی آ کر رہے گی مگر اسلامی وطن اور اسلامی کاز سے بیوفائی سے اللہ کی پناہ! ہر لمحہ ڈرتے رہنا اور اعدائے اسلام کی لمحہ بہ لمحہ بڑھتی خواہشوں کو پورا کرتے امن اور ایمان کی امید رکھنا خام خیال ہے۔
ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اکیلے ایک درخت کے نیچے لیٹے ہوئے تھے۔ ایک دشمنِ دین نے اچانک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار اٹھا کر وار کرنا چاہا۔ سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس وقت دفاع کے لیے کچھ بھی تو نہیں تھا۔ مغرور دشمن نے اچانک نعرہ لگایا بتاؤ اب تمہیں مجھ سے کون بچائے گا؟ معافی نہیں مانگی، منت نہیں کی، لب مبارک پر ایک ہی لفظ تھا ''اللہ'' بس دشمن کے کان میں یہ لفظ پڑتے ہی تلوار زمین پر تھی اور تلوار والا کافر دونوں ہاتھ جوڑے کانپ رہا تھا، منت سماجت کرتے نظر آ رہا تھا۔ جی ہاں ساری طاقتوں سے بڑی سپریم پاورز سے بھی سُپر وہی اللہ رب العزت ہیں۔
زندگی اللہ کی امانت ہے۔ وقت سے پہلے موت قطعاً نہیں آ سکتی۔ سردار جی کی طرح جگنو کی روشنی کو ظالم ڈینگی مچھر نہ سمجھا جائے۔ سلطان ٹیپو کی شہادت والی موت اور سیف اللہ خالد کی شہادت کی آرزو مسلمان کے لیے مشعل راہ ہے۔ نبی مکرم خاتم المعصومین سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ سنت اور اسوۂ حسنہ ہمارے سامنے موجود ہے۔ پورے عالم کے مسلمان ''محمدی نعرہ لگائیں تو ہر خوف ہر خطرہ دم دبا کر بھاگ جائے گا۔ نعرہ لگایئے اور تمام اسلامی بھائیوں کی طرف سے لگایئے۔ اَللّٰہُ اَللّٰہُ رَبِّی لَا اُشْرِکُ بِہٖ شَیْئًا۔ اللہ ہی میرا رب ہے اور کسی کو میں اس کے برابر نہیں سمجھتا۔

الغازی مشینری سٹور
ہمہ قسم چائنہ ڈیزل انجن، سپیئر پارٹس
تھوک و پرچون ارزاں نرخوں پر ہم سے طلب کریں
بلاک نمبر 9 کالج روڈ، ڈیرہ غازی خان 064-2462501

حافظ عبیداللہ　　　　قسط نمبر ۱

احادیثِ نُزولِ عیسیٰ بن مریم علیہما السلام

اور منکرین حدیث کے اعتراضات کا علمی جائزہ

نبی کریم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسے ماضی میں پیش آنے والے بہت سے واقعات کے بارے میں خبر دی اسی طرح مستقبل میں وقوع پذیر ہونے والے بہت سے احداث وواقعات کے بارے میں بھی خبر دار فرمایا، ماضی کے جن واقعات کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا ان میں مثلاً:

اُن تین آدمیوں کا قصہ جو بارش سے بچنے کے لئے ایک غار میں پناہ لیتے ہیں اور غار کا دہانہ بند ہو جاتا ہے پھر وہ اپنے اپنے نیک اعمال کا واسطہ دے کر اللہ سے دعا کرتے ہیں اور غار کا راستہ کھل جاتا ہے (صحیح بخاری: حدیث نمبر 3465، صحیح مسلم: حدیث نمبر 2743) یا اُس آدمی کا واقعہ جس کے ساتھ ایک بھیڑیے نے بات کی (صحیح بخاری: حدیث نمبر 2324، صحیح مسلم: 2388) یا بنی اسرائیل کے اُس آدمی کا قصہ جس نے ننانوے قتل کیے تھے پھر وہ زمین پر موجود سب سے بڑے عالم کے بارے میں پوچھتا ہے تو اُسے ایک راہب کا پتہ دیا جاتا ہے چنانچہ وہ راہب کے پاس آتا ہے اور پوچھتا ہے کہ کیا میری توبہ کی کوئی سبیل ہے؟ راہب کہتا ہے کہ نہیں، تو وہ اُس راہب کو بھی قتل کر دیتا ہے، پھر اُسے ایک اور عالم کا پتہ بتایا جاتا ہے، وہ اُس عالم سے کہتا ہے کہ میں نے پورے سو قتل کیے ہیں کیا میری توبہ کی کوئی سبیل ہے؟ تو وہ عالم کہتا ہے کہ کیوں نہیں؟ تم ایسا کرو کہ فلاں جگہ چلے جاؤ وہاں کچھ لوگ اللہ کی عبادت میں مصروف ہیں تم بھی ان کے ساتھ اللہ کی عبادت میں مشغول ہو جاؤ اور اپنے علاقے کی طرف واپس مت جانا یہ بُرا علاقہ ہے وہ توبہ کی نیت سے اُس علاقے کی طرف جا رہا ہوتا ہے کہ راستے میں ہی اس کی موت کا وقت آ جاتا ہے وہ اپنا سینہ اُس علاقے کی طرف موڑ لیتا ہے جہاں وہ جا رہا تھا، اب رحمت اور عذاب کے فرشتوں کے درمیان اختلاف ہو جاتا ہے کہ اس کی روح کون لے کر جائے گا؟ رحمت کے فرشتے کہتے ہیں کہ یہ توبہ کی سچی نیت سے جا رہا تھا لہٰذا ہم لے کر جائیں گے جبکہ عذاب کے فرشتے کہتے ہیں کہ اس نے اپنی زندگی میں کوئی بھی نیک کام نہیں کیا لہٰذا اسے ہم لے کر جائیں گے، چنانچہ فیصلہ یوں ہوتا ہے کہ وہ جس جگہ سے آ رہا تھا اُس کا فاصلہ ناپ لو، اور جہاں جا رہا تھا اسکی مسافت بھی دیکھو، جب ناپا گیا تو وہ جس بستی میں توبہ کی نیت سے جا رہا تھا اس کی طرف صرف ایک بالشت زیادہ قریب تھا تو رحمت کے فرشتے اس کی روح قبض کرتے ہیں (صحیح مسلم: حدیث نمبر 2766 واللفظ لمسلم، صحیح بخاری: حدیث نمبر 3470)۔

یہ چند مثالیں ہیں اُن واقعات کی جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے بہت پہلے ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے بارے میں خبر دی اور جو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان رکھتا ہے اُس کے لئے ان واقعات کی سچائی میں کوئی شک وشبہ نہیں، اگر کوئی کہے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ بھیڑیا انسان کے ساتھ بات کرے؟ یا یہ کیسے

ہوسکتا ہے کہ صرف اپنے نیک اعمال کا واسطہ دینے سے غار کا دہانہ کھل جائے اور پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ان احادیث میں شک کرے تو ایسے شخص کے ایمان میں شک ہے، اور ایسے شخص کا ایمان بالرسول بھی مشکوک ہے جو یہ بہانہ پیش کرے کہ چونکہ ان واقعات کا قرآن کریم میں ذکر نہیں لہذا یہ تمام احادیث جھوٹی اور موضوع ہیں۔

بالکل اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مستقبل میں وقوع پذیر ہونے والے بہت سے واقعات وحوادث کے بارے میں بھی بتلایا، خاص طور پر علاماتِ قیامت اور قیامت کے قریب پیش آنے والے واقعات کے بارے میں احادیث کی ایک کثیر تعداد موجود ہے جسے محدثین ''الفِتَن'' اور ''علامات الساعة'' کے ابواب میں ذکر کرتے ہیں، ان میں کچھ چھوٹی علامات ہیں جنہیں ''علامات صغریٰ'' کہا جاتا ہے، اور کچھ بڑی علامات ہیں جنہیں ''علامات کبریٰ'' کہا جاتا ہے۔ ان علاماتِ کبریٰ میں سے ایک علامت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ''حضرت عیسیٰ بن مریم علی نبینا وعلیہ السلام کا نزول'' بھی بیان فرمائی ہے، بہت سے محدثین نے اپنی کتب میں ''باب نزول عیسیٰ بن مریم'' کے عنوان سے الگ باب بھی قائم فرمایا ہے اور مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے احادیث کی ایک کثیر تعداد مروی ہے جن کے اندر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کا صراحت کے ساتھ ذکر ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے لے کر چودھویں صدی ہجری تک امت اسلامیہ میں سوائے چند معتزلہ اور فلاسفہ کے کسی نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قیامت سے پہلے نازل ہونے کا انکار نہیں کیا، امت کا رفع ونزولِ عیسیٰ علیہ السلام پر اجماع چلا آرہا ہے (اجماعِ امت کے حوالے آگے آرہے ہیں)، تیرھویں صدی کے آخر اور چودھویں صدی میں کچھ لوگوں کی اِکا دُکا آوازیں سننے کو ملیں جنہوں نے یہ کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ نہیں ہیں اور انہوں نے ان تمام احادیث کو ناقابل اعتبار، موضوع، جھوٹی اور اسرائیلی روایات کہہ کر رد کر دیا جن کے اندر نزول عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے، ان میں مصر کے شیخ محمد عبدہ اور ان کے چند تلامذہ کا مکتبِ فکر جس میں علامہ رشید رضا (جن کی وفات سنہ 1935ء میں ہوئی) اور شیخ محمود شلتوت (جن کی وفات سنہ 1963ء میں ہوئی) قابل ذکر ہیں خاص طور پر نظر آتا ہے لیکن خود مصر کے علماء نے ان کے امت اسلامیہ سے ہٹ کر تفردات کا بڑی شدّ ومدّ کے ساتھ رد بھی کیا ہے، اسی طرح جب برصغیر پاک وہند میں فتنہ انکارِ حدیث کا ظہور ہوا تو یہ فتنہ دو صورتوں میں سامنے آیا، پہلی صورت یہ کہ احادیث نبویہ کی تشریعی حیثیت کو تسلیم نہ کیا جائے جیسا کہ غلام احمد پرویز وغیرہ نے کیا، دوسری صورت یہ سامنے آئی کہ احادیث نبویہ کی تشریعی حیثیت کا مطلقاً انکار تو نہ کیا جائے بلکہ احادیث کی استنادی حیثیت کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کر دیئے جائیں اور اس مقصد کے حصول کے لئے چند ایسی شخصیات کا انتخاب کرلیا جائے جن پر علم حدیث کے بیشتر حصہ کا انحصار ہے، جن کی وساطت سے ہمارے پاس احادیث پہنچی ہیں اور جو علم حدیث کا ستون ہیں کہ ان کو گرانے سے احادیث نبویہ کی پوری عمارت متاثر ہو سکتی ہے، مشہور مستشرق گولڈ زیہر نے اسی فارمولے کو سامنے رکھتے ہوئے علم حدیث کے دو اہم ستونوں کا انتخاب کیا تھا،

جن میں سے ایک صحابی رسولِ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور دوسرے مشہور تابعی ابن شہاب زہریؒ ہیں۔

گولڈزیہر ہی کے خیالات وافکار برِصغیر کے بعض لوگوں کی تحریروں میں نظر آئے، ایسے ہی ایک صاحب گذرے ہیں جن کا نام تو سید حیات الحق محمد محیی الدین تھا لیکن مشہور ''علامہ تمنا عمادی پھلواروی'' کے نام سے ہیں، جو 1888ء میں موجودہ ہندوستان کے علاقے پھلواری ریاست بہار میں پیدا ہوئے اور 1972ء میں کراچی میں فوت ہوئے، عمادی صاحب نے خاص طور پر امام ابن شہاب زہریؒ کونشانہ بنایا اور ایک کتاب ''امام زہری وامام طبری'' کے عنوان سے لکھی جس میں گولڈزیہر ہی کی امام زہریؒ پر تنقید کا اعادہ وتکرار ہے، اسی طرح ان کی ایک کتاب بعنوان ''انتظارِ مہدی ومسیح فن رجال کی روشنی میں'' کی طرف ہمارے ایک نہایت محترم دوست نے توجہ دلائی جس میں تمنا عمادی صاحب نے امام زہریؒ کے ساتھ صحیح بخاری ومسلم جیسی کتب حدیث پر بھی اپنی تنقید کے خوب نشتر چلائے ہیں، کتاب کے سروق پر مصنف کے نام کے ساتھ ''محدث العصر جامع العلوم'' بھی لکھا ہے چنانچہ کتاب کا مطالعہ شروع کیا، کتاب کے باب سوم کا عنوان ہے ''نزولِ عیسیٰ کی احادیث اور ان پر تنقید'' جو کتاب کے صفحہ 163 سے شروع ہو کر اس کے اختتام یعنی صفحہ 310 تک پھیلا ہے، ہماری ان گذارشات کا تعلق اسی تیسرے باب سے ہے، کتاب کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوا کہ عمادی صاحب بلاشبہ اپنے فن میں یکتا ہیں اور اُن کا فن محض اپنے ذہن سے مفروضے بنا کر اور ہوائی قلعے تعمیر کر کے بات کا بتنگڑ بنانا ہے، موصوف راویوں کے بارے میں زمین وآسمان کے خوب قلابے ملاتے ہیں، اس فن میں ان کو ایسا کمال حاصل ہے کہ تاریخی طور پر دو الگ اشخاص کو ایک ثابت کرنا، کسی ایسے راوی کو جسے ائمہ علم رجال ثقہ لکھیں ''مجہول'' ثابت کرنا، کسی ایسے آدمی کو جو مثال کے طور پر اصل میں مدینہ منورہ کا باشندہ ہو اور ملک شام میں جا کر بس جائے جسے کتب اسماء الرجال میں ''نزیل الشام'' کہا جاتا ہے، اُسے ملک شام کا اصل باشندہ ثابت کرنا اور اس کے مدنی ہونے کا انکار کرنا (جیسے امام ابن شہاب زہریؒ)، لیکن دوسری طرف اسی طرح کے ایک مدنی (یعقوب بن ابراہیمؒ) کو جنہیں کتب اسماء الرجال میں ''نزیل بغداد'' لکھا ہے مدنی بتا کر یہ مفروضہ پیش کرنا کہ اِن سے نیشاپور کا کوئی آدمی روایت کیسے کر سکتا ہے، یہ ناممکن ہے، بتایا جائے کہ نیشاپور والا مدینہ کب گیا؟ یا مدنی راوی نیشاپور کب آیا؟ حتیٰ کہ کسی صحابی کو ''فرضی صحابی'' ثابت کرنا موصوف کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے، موصوف جب کسی حدیث کو گرانا چاہتے ہیں تو ''موضوع اور مکذوب'' سے نیچے بات ہی نہیں کرتے، لوگوں کو اپنی ''محدثیت'' کا قائل کرنے کے لئے جگہ جگہ کتب اسماء الرجال کے حوالے دیتے ہیں لیکن خود اصول حدیث کی دھجیاں اڑاتے نظر آتے ہیں، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی تہذیب التہذیب کے حوالے جابجا دیتے ہیں لیکن جب یہی حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اپنی شرح صحیح بخاری میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی سند میں مذکور کسی راوی کے بارے میں یہ لکھیں کہ اس سے فلاں بن فلاں مراد ہیں تو موصوف نے لئے یہ وضاحت قابل قبول نہیں ہوتی، بلکہ جناب اپنی عقل کے خیالی گھوڑے دوڑاتے ہیں اور سند میں مذکور راوی کا کوئی ایسا ہم نام تلاش کر کے لاتے ہیں جو مجروح ہو اور پھر اصرار کرتے ہیں کہ بخاری کی سند میں یہ راوی ہے اور امام بخاری نے اس کی ولدیت وغیرہ اس لئے ذکر نہیں کی کیونکہ

انہیں علم تھا کہ یہ ضعیف ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے (نعوذ باللہ) لوگوں کو دھوکے میں رکھنے کے لئے صرف اس کا نام بغیر ولدیت ذکر کر دیا، اور کہیں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے ہمدردی بھی جتاتے نظر آتے ہیں اور یہ تحقیق پیش کرتے ہیں کہ صحیح بخاری اور دوسری کتب حدیث میں وضّاعین اور جھوٹے لوگوں نے نہ صرف جھوٹی احادیث بلکہ پورے پورے باب بعد میں ’’ٹھونس‘‘ دیے ہیں جس میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا کوئی قصور نہیں، موصوف کا مبلغ علم یہ ہے کہ صحیح بخاری میں جو ’’**باب نزول عیسیٰ بن مریم**‘‘ ہے اس کے بارے میں بھی ترنگ میں آ کر یہ لکھ گئے کہ یہ باب بھی صحیح بخاری میں بعد میں ’’ٹھونس‘‘ دیا گیا (موصوف نے یہی ٹھونسنے کا لفظ لکھا ہے) اور پھر یہ ’’محدث العصر‘‘ اس پر دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ یہ باب صحیح بخاری کی ’’**کتاب بدء الخلق**‘‘ میں ہے، بھلا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کا ’’آغازِ تخلیق‘‘ کے باب سے کیا تعلق اس کو تو ’’خاتمہ تخلیق‘‘ یا ’’کتاب الفتن‘‘ وغیرہ میں ہونا چاہیے تھا، لکھتے ہیں:

’’بات یہ ہے کہ متقدمین کی کتابوں میں ان کے وضاع و کذاب تلامذہ یا تلامذہ کے تلامذہ یا جلد بند یا نقل کرنے والے کاتبوں کو جہاں موقع مل جاتا تھا وہاں کچھ حدیثیں داخل کر دیتے تھے کبھی مستقل طور سے ایک باب ہی الگ سے قائم کر کے لگا دیتے تھے، اور بعض وقت تو وہ حدیثیں یا باب بے محل ٹھونس دیے جاتے تھے، اسی کی ایک مثال یہ باب نزول عیسیٰ بن مریم بھی ہے جس کو ٹھونسنے کی گنجائش کتاب الفتن میں تو یارانِ طریقت کو نہ ملی، کتاب بدء الخلق میں بے جوڑ طریقے سے ایک باب قائم کر کے صرف دو حدیثیں اس میں بنا کر درج کر دیں جو غریب امام بخاری کے سر پڑ گئیں‘‘۔ (انتظارِ مہدی و مسیح، صفحہ 167-168)

مجھے بھی یہ بات عجیب لگی کہ کتاب بدء الخلق میں نزول عیسیٰ علیہ السلام کا کیا تعلق؟ چنانچہ میں نے صحیح بخاری کی ’’**کتاب بدء الخلق**‘‘ دوبارہ دیکھی لیکن میری حیرت کی انتہاء نہ رہی جب مجھے اس میں ’’**باب نزول عیسیٰ بن مریم**‘‘ کہیں نظر نہ آیا، غور کرنے پر معلوم ہوا کہ دراصل یہ باب کتاب بدء الخلق میں نہیں جیسا کہ عمادی صاحب نے دھوکہ دینے کی کوشش کی ہے (یا خود انہیں دھوکہ لگ گیا ہے) بلکہ اس سے اگلی کتاب ’’**احادیث الانبیاء**‘‘ میں ہے، یعنی وہ کتاب جس میں انبیاء علیہم السلام سے متعلق احادیث کا بیان ہے اور اس کتاب میں امام بخاریؒ نے ’’**باب نزول عیسیٰ بن مریم**‘‘ بھی قائم کیا ہے کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام بھی انبیاء میں سے ایک جلیل القدر نبی ہیں لہٰذا اب کوئی اشکال نہ رہا، لیکن ان ’’محدث العصر‘‘ صاحب کی علمیت کا اندازہ یہیں سے ہو گیا کہ کس طرح ایک غلط بات کو بنیاد بنا کر یہ فتویٰ صادر فرما دیا کہ یہ باب کسی نے صحیح بخاری میں ’’ٹھونس‘‘ دیا ہے۔

آنکھیں ہیں اگر بند تو پھر دن بھی رات ہے　　　اِس میں بھلا قصور کیا ہے آفتاب کا؟

الغرض! جناب تمنا عمادی صاحب نے یہ تأثر دینے کی کوشش کی ہے کہ وہ تمام احادیث جن کے اندر ’’نزولِ عیسیٰ علیہ السلام‘‘ کی خبر دی گئی ہے ساری کی ساری ’’موضوع اور جھوٹی‘‘ ہیں اور سب سے بڑی دلیل اس پر یہ دی ہے کہ چونکہ قرآن کریم میں اس بات کا کوئی ذکر نہیں اور ہر وہ حدیث جس میں کسی ایسی بات کا ذکر ہو جو قرآن نے بیان نہیں کی وہ جھوٹی ہے۔

کیا واقعی نزول عیسیٰ علیہ السلام کی روایات اصولِ حدیث کی رو سے موضوع اور جھوٹی ہیں؟ محدثین اور علماء متقدمین اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟ کیا کسی حدیث کے سچی یا جھوٹی ہونے کا اصول یہ ہے کہ اگر اس میں بیان شدہ مضمون قرآن میں ہوتو وہ سچی اور اگر حدیث میں مذکور بات قرآن میں نہ ہوتو وہ حدیث جھوٹی؟ کیا واقعی قرآن کریم کی کسی آیت سے نزولِ عیسیٰ علیہ السلام کا اشارہ نہیں ملتا؟ اس ساری (بزعم خود) تحقیق سے مصنف کا مقصد کیا ہے؟ ان تمام سوالوں کے جوابات کے ساتھ ساتھ ہم کوشش کریں گے اصل حقیقت لوگوں کے سامنے لائی جائے، ان کے سامنے وہ احادیث رکھی جائیں جن کی بناء پر علماء امت نے فرمایا ہے کہ حضرت عیسی علیہ السلام کا نزول متواتر احادیث سے ثابت ہے اور بتایا جائے کہ جناب تمنا عمادی صاحب جیسے سو ''محدث العصر'' مل کر بھی متقدمین میں سے امام بخاری، امام مسلم، امام ابن عطیہ اندلسی، امام ابوموسیٰ اشعری، حافظ ابن حجر، علامہ قسطلانی، علامہ عینی، علامہ نووی، حافظ ابن کثیر، قاضی عیاض وغیرہم رحمہم اللہ اور متأخرین میں سے علامہ محمد بن احمد السفارینی، علامہ انور شاہ کشمیری، علامہ شرف الحق عظیم آبادی، علامہ محمود آلوسی بغدادی، علامہ احمد محمد شاکر، علامہ محمد ناصر الدین البانی، علامہ محمد بن جعفر الکتانی اور علامہ زاہد کوثری وغیرہم رحمہم اللہ کے علم اور مرتبے تک نہیں پہنچ سکتے جنہوں نے تحقیق کے بعد نزول عیسیٰ علیہ السلام کی احادیث کو ''متواتر'' بتایا ہے (تفصیل آگے بیان ہوگی)، جس آدمی کو یہ تک علم نہیں کہ صحیح بخاری میں ''باب نزول عیسی بن مریم'' کس کتاب میں ہے وہ چلا ہے ان متواتر احادیث کو ''موضوع اور مکذوب'' ثابت کرنے۔

آگے چلنے سے پہلے تمنا عمادی صاحب کی کتاب سے چند اقتباسات کا مطالعہ کر لیں جن سے ہر وہ شخص جسے عقلِ سلیم عطا کی گئی ہے بخوبی اندازہ کر سکتا ہے کہ موصوف کا اصل مقصد نزولِ عیسیٰ علیہ السلام کا انکار نہیں بلکہ حدیث اور کتب حدیث کو مشکوک اور ناقابل اعتبار ثابت کرنا ہے، ملاحظہ فرمائیں وہ جا بجا اپنے دل کی بات کس طرح نوکِ قلم پر لاتے ہیں، چنانچہ باب سوم کے شروع میں لکھتے ہیں:

''جن حضرات کے نزدیک کتبِ حدیث آسمانی صحیفے، راویانِ حدیث حاملانِ وحی فرشتے اور جامعینِ احادیث مہبطِ وحی مثل انبیاء ومرسلین تھے وہ میری تنقید سے کیا مطمئن ہو سکتے ہیں، بلکہ چڑ کر قرآن مجید پر منہ آنے لگیں گے اس لئے ان کے لئے یہ تنقید تحصیل لاحاصل ہے، اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے اس دعوے پر ایمان رکھتے ہیں کہ **ما فرطنا في الكتاب من شيء** ہم نے اس کتاب میں کوئی کمی نہیں چھوڑی ہے **ونزلنا عليك الكتاب تبياناً لكل شيء** ہم نے یہ کتاب تم پر دین کی ہر بات کھول کر بیان کر دینے کے لئے اتاری ہے وہ اس پر بھی ایمان ضرور رکھتے ہیں کہ نزولِ مسیح وآمد مہدی اگر کوئی دینی عقیدہ ہوتا تو قرآن مبین میں ان باتوں کی خبر ضرور دی جاتی جب قرآن مبین میں ان کا ذکر نہیں تو ان باتوں کو دینی عقیدہ سمجھنا ہی بدعت وضلالت ہے''۔ (انتظارِ مہدی ومسیح، صفحہ 165)

اور کتاب کے آخر میں یوں لکھتے ہیں:

''میں نے ان حدیثوں کی تنقید صرف روایت پرستوں کے لئے لکھی ہے کہ تا بدر باید رسانید، ورنہ جو لوگ قرآن مجید کو کامل و مکمل سمجھتے ہیں اور ما فرطنا فی الکتاب من شيءٍ پر ایمان رکھتے ہیں ان کو ان تنقیدات کی کوئی ضرورت ہی نہیں۔ ان کے لئے تو ان ساری حدیثوں کے غلط ہونے کی صرف یہی ایک زبردست دلیل کافی ہے کہ نزولِ عیسیٰ بن مریم کا کوئی ذکر قرآن مبین میں نہیں ہے اس لئے نزولِ مسیح کا عقیدہ ہی باطل ہے اور یہ ساری حدیثیں یقیناً جھوٹی ہیں''۔

(انتظارِ مہدی و مسیح، صفحہ 309)

تمنا عمادی صاحب کے مذکورہ بالا الفاظ سے اُن کے دل میں حدیث، محدثین، رواۃ حدیث اور کتب حدیث کے بارے میں حقد اور نفرت جھلک رہی ہے ورنہ آج تک کسی نے نہیں کہا کہ کتبِ حدیث آسمانی صحیفے ہیں، کسی کا یہ دعویٰ نہیں کہ رواۃ حدیث فرشتے یا معصوم ہیں نہ ہی کسی کا یہ موقف ہے کہ محدثین اور جامعین کتب حدیث پر انبیاء و مرسلین کی طرح وحی نازل ہوتی ہے، یہ سب کچھ عمادی صاحب نے حدیث اور محدثین کے ساتھ اپنے ''عناد'' کی وجہ سے لکھا ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اگر راویانِ حدیث کو فرشتے سمجھا جاتا تو کتب اسماء الرجال و جرح و تعدیل نہ لکھی جاتیں، اگر کتبِ حدیث کو آسمانی صحیفے اور ان کے جامعین کو مہبط وحی تصور کیا جاتا تو ان کتابوں کی روایات کی جانچ پھٹک نہ کی جاتی اور صحیح و ضعیف روایات کو الگ الگ نہ کیا جاتا۔

منکرینِ حدیث کا یہ وطیرہ بھی رہا ہے کہ وہ حدیث اور کتب حدیث کے بارے میں شکوک و شبہات پھیلانے کے لئے قرآن کا نام لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حدیث کے صحیح ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس میں بیان کردہ مضمون قرآن میں ہو۔ یہ صرف ایک دھوکہ ہے ورنہ قرآن تو خود کہتا ہے کہ ﴿من یطع الرسول فقد اطاع اللہ (النساء: ۸۰)﴾ جس نے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کی پس اس نے اللہ کی اطاعت کی۔ یہ نہیں فرمایا کہ ''جس نے اللہ کی اطاعت کی اس نے رسول کی اطاعت کی'' بلکہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو اللہ کی اطاعت کہا گیا، نہ ہی یہ کہا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف اس بات میں اطاعت کرنی ہے جس کا ذکر قرآن میں ہو، اور جس بات کا ذکر قرآن میں نہ ہو وہ نہیں ماننی۔

قرآن کا حکم تو یہ ہے ﴿**قُل اطیعو اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم فان تنازعتم فی شيءٍ فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تؤمنون باللہ والیوم الآخر** (النساء: ۵۹)﴾ آپ کہہ دیجیے! اطاعت کرو اللہ کی اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اور ان کی جو تم میں سے صاحب اختیار ہوں، پس اگر تمہارے درمیان کسی چیز میں اختلاف ہو جائے تو اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو اگر تم واقعی اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔

اس میں ''اللہ کی اطاعت'' اور ''رسول کی اطاعت'' دونوں کو الگ الگ بیان کیا گیا ہے نیز اختلاف کی صورت میں بھی ''اللہ'' اور ''رسول'' کی طرف رجوع کرنے کو الگ الگ بیان کیا گیا ہے، جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات (حدیث) بھی اللہ کی بات (قرآن) کی طرح اپنی جگہ مستقل حجت ہے۔

قرآن تو یہ کہتا ہے کہ ﴿لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجوا اللہ والیوم الآخر (الاحزاب: ۲۱) ﴾ بلاشبہ تمہارے لیے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے (پیروی کے لیے) ایسے شخص کے لیے جو اللہ تعالیٰ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے۔

اس آیت میں لفظ ''رسول اللہ'' ایک جامع لفظ ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری زندگی کو محیط ہے۔ اس میں آپ کی قولی اور فعلی تمام احادیث شامل ہیں آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس پر لازم ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی کو نمونہ بنائے اور یہ تب ممکن ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو فی نفسہ اور مستقل حجت تسلیم کرے۔ اگر وہ انہیں حجت تسلیم نہیں کرتا یا اپنی خواہش کے تابع ''تحقیق'' کرتا ہے اور یہ قید لگاتا ہے کہ میں قرآن کو دیکھوں گا اگر حدیث میں بیان کردہ بات یا مضمون اس میں ملا تو حدیث کو مانوں گا ورنہ نہیں تو ایسا شخص اس آیت اور دوسری آیات کا منکر ہے۔

قرآن کا فیصلہ تو یہ ہے کہ ﴿ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین لہ الھدیٰ ویتبع غیر سبیل المؤمنین نولہ ما تولّیٰ ونصلہ جھنم (النساء:۱۱۵)﴾ اور جو کوئی رسول کی مخالفت کرے۔ اس کے بعد کہ اس کے لیے سیدھا راستہ خوب واضح ہو چکا اور مومنوں کی راہ کے علاوہ کسی دوسری راہ پر چلنے لگے تو ہم اسے اسی طرف پھیر دیں گے جس طرف وہ پھرے گا اور اسے جہنم میں داخل کریں گے۔

اس آیت کریمہ میں صرف رسول اور اس کی ہدایت کا ذکر کیا گیا ہے، کتاب اللہ کا ذکر نہیں کیا گیا کیونکہ ''مُشاقّۃ'' دراصل عملی مخالفت کو کہا جاتا ہے، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اعمال کیے اگر کوئی شخص ان کے خلاف کرتا ہے تو اس کے لیے وعید اور تخویف ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال احادیث میں مذکور ہیں۔ لفظ ''الہدیٰ'' بھی عام ہے اور کتاب اللہ اور حدیث دونوں ہدایت کے سرچشمے ہیں۔ اس ہدایت کی مخالفت جہنم میں داخل ہونے کا سبب بنتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال اور ہدایت کی مخالفت کرنے والا اس کی حجیت سے انکار کرتا ہے، لہٰذا منکرینِ حجیتِ حدیث اس آیت کے منکر ہیں۔

اگر تھوڑا سا غور کیا جائے تو موضوع احادیث کا وجود بذاتِ خود حجیتِ احادیث کے لیے ایک قوی دلیل ہے جس کا منکرینِ حدیث بھی انکار نہیں کر سکتے۔ وہ اس طرح کہ اگر احادیث شرعی حجت نہ ہوتیں تو پھر احادیث گھڑنے کا کیا فائدہ؟ جب اصلی سکہ کی بازار میں قدر و قیمت ہوگی تو کھوٹے سکے بنائے جائیں گے۔ منکرینِ حدیث بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ ایک دور ایسا آیا کہ جب موضوع روایات کا سیلاب اُمڈ آیا تھا جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اس وقت امت کی اکثریت حجیتِ احادیث کی قائل تھی۔

جاری ہے

تنویر الحسن احرار

دنیائے اسلام کے سب سے بڑے حکمران

سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی ہدایت کے لیے انبیاء کرام علیہم الصلوات والتسلیمات کو دنیا میں بھیجا۔ سب سے آخر میں سب سے بلند درجہ نبی جناب سیدنا محمد کریم رؤف الرحیم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو دعوتِ فلاح دی۔ جنہوں نے دعوت قبول کی اللہ نے انعام کے طور پر ان کو کامیابی کا پروانہ اس دنیا میں عطاء کر دیا۔ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت تک کم و بیش ایک لاکھ چوالیس ہزار لوگوں نے کلمہ اسلام پڑھا اور کامیابی کی سند حاصل کی۔ ان عظیم لوگوں کو صحبت نبی صلی اللہ علیہ وسلم حاصل ہونے کی وجہ سے ''صحابی'' کہا جاتا ہے۔ اور انہی صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَصحابی کالنجوم میرے صحابہ رضی اللہ عنہم ستاروں کی مانند ہیں۔ میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ستاروں میں ہر ستارے کی اپنی چمک اور روشنی ہے انہی روشن ستاروں میں ایک کا نام معاویہ بن ابی سفیان علیہم الرضوان ہے۔ آج ہم اسی مقدس ہستی کا تذکرہ کریں گے۔

نام و نسب: معاویہ بن ابو سفیان بن حرب بن امیہ بن ہاشم بن عبد مناف آپ کا سلسلۂ نسب پانچویں پشت میں عبد مناف پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے۔

ولادت: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ظہور اسلام سے پانچ سال قبل 608 عیسوی میں مکہ میں پیدا ہوئے، گویا ہجرت نبوی کے وقت آپ کی عمر 18 سال اور فتح مکہ کے وقت 27 سال تھی۔

قبول اسلام: آپ رضی اللہ عنہ نے ابتداء اسلام میں ہی اسلام کو پھلتا پھولتا دیکھا سردارِ مکہ ابو سفیان کے گھر پیدا ہونے کے باوجود جو کہ اسلام کے مقابلے ہر میدان کے لیڈر ہوتے تھے کبھی بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں کسی جنگ میں شرکت نہ کی۔ اسی بات کا اثر تھا کہ عمرۃ القضاء ۷ ہجری کے موقع پر اپنے اسلام قبول کرنے کا اظہار کیا اور خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں شریک ہوگئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ناخن اُتارے اور بال تراشے۔

سخاوت و بہادری: آپ رضی اللہ عنہ کی کنیت ابو عبدالرحمٰن تھی ایک سردار کا بیٹا ہونے کی وجہ سے آپ کے ماں باپ نے آپکی تعلیم و تربیت میں اس وقت کے عرب دستور کے مطابق کوئی کمی نہیں چھوڑی۔ مختلف علوم و فنون سے آپکو آراستہ کیا۔ آپ کا شمار ان چند گنے چنے لوگوں میں ہونے لگا جو علوم و فنون سے آراستہ تھے اور لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ قبول اسلام سے قبل کے

مسجد ابوبکر صدیق، تلہ گنگ

حالات میں امام ابن کثیر لکھتے ہیں۔ آپ قوم کے سردار تھے۔ جن کی لوگ اطاعت کرتے تھے۔ اور صاحبِ مال و دولت اور سخی تھے۔

کارہائے نمایاں: آپکے کے کارناموں کا آغاز حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانہ خلافت سے ہوتا ہے۔ منکرین زکوٰۃ اور مدعیان نبوت کی سرکوبی میں پیش پیش تھے۔ بعض روایات میں ہے کہ دشمن رسول، مدعی نبوت، مسیلمہ کذاب کو حضرت وحشی بن حرب رضی اللہ عنہ نے حربہ مار کر زخمی کیا اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسے اپنے ہاتھوں سے قتل کیا۔

فتوحات: خلافتِ صدیق اکبر، خلافتِ فاروق اعظم، خلافتِ عثمان رضی اللہ عنہم میں نمایاں کردار رہا۔ سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے ان کے بڑے بھائی سیدنا یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے انتقال کے بعد 18 ھجری میں انہیں دمشق کا حاکم مقرر کردیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت کی ابتداء میں ہی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو پورے شام کا والی اور حاکم بنا دیا۔ جنگ یمامہ کے بعد قیساریہ، صیدا، عرقہ، بیروت، انطاکیہ، طرابلس، عموریہ، ملطیہ، طرطوس، اناطولیہ، روم، قبرص جیسے علاقوں پہ قبضہ کرکے اسلامی مملکت کے جھنڈے گاڑے۔ ان میں قیساریہ شہر کے معرکے میں 80 ہزار رومی مارے گئے یہ معرکہ بھی سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے سر کیا۔ 31 ھجری میں قیصر روم نے پانچ سو جہازوں کے ساتھ ساحل شام کے کناروں پر ہجوم کیا تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی جنگی حکمت عملی نے رومیوں کو شکست فاش دی اور رومیوں کا تباہ حال لشکر قسطنطنیہ واپس لوٹا۔ 32 ھجری میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے قبرص پر حملہ اور قبضہ کیا اور پرچم اسلام لہرا دیا۔

پہلا بحری بیڑہ: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی اجازت سے بحری بیڑہ تیار کیا اس سے قبل رومیوں کے مقابلے میں مسلمانوں کے پاس بحری حملوں کا جواب نہ تھا۔ چار سو جہازوں پر مشتمل اس بحری بیڑے سے مسلمانوں کی بحری طاقت رومیوں سے بڑھ گئی۔ اس طرح سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے آخری دور میں اسلامی مملکت کی حدود ہندوستان کی سرحد سے لے کر شمالی افریقہ کے ساحل اور یورپ کے صدر دروازے تک وسیع ہوگئیں۔

خلافتِ سیدنا علیٰ المرتضیٰ رضی اللہ عنہ: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد، سسرِ عمر جرار، سیدنا علیٰ المرتضیٰ رضی اللہ عنہ منصب خلافت پر فائز ہوئے۔ آپ جری و بہادر انسان تھے، طبقۂ منافقین جو روزِ اوّل سے ہی اسلام کی بہاروں کو برداشت نہیں کرسکتا تھا۔ طویل محنت کے بعد شہادتِ عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد نسل ابن ابی اور نسل ابن سباء کو کچھ کامیابی کے آثار نظر آئے اور اسلام کے دو شیروں کو قصاصِ عثمان کے مسئلے پر دست و گریبان کر دیا۔ باہمی جنگوں کی وجہ سے بلخ، ہرات، بوشنج، باذغیس اور کابل کے علاقے باغی ہوگئے۔ شہادت سیدنا علیٰ المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بعد خلیفہ راشد و خامس و عادل برحق سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ کی صلح کے بعد سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے

دوبارہ باغی علاقوں پر قبضہ کیا اوران ملکوں کا ایک چپہ زمین بھی قبضے سے نکلنے نہ دی۔

سلطنتِ اسلامیہ کا حدود اربعہ: سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی افواج نے قسطنطنیہ کے بعد جزیرۂ روڈس اور جزیرۂ اڈواڈ کو بھی فتح کیا اس طرح سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے چونسٹھ لاکھ پینسٹھ ہزار مربع میل پر اسلامی حکومت قائم کر کے دین وعمل، سیاست وقوت، دولت وثروت کے لحاظ سے دنیا کی تمام اقوام وادیان پر غلبہ پا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقصد بعثت **هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ** کی تکمیل فرمادی۔

فضل وکمال: علمی اعتبار سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں نمایاں مقام تھا ابتداء میں لکھنے پڑھنے کی مہارت کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کاتب وحی بنایا تھا۔ مذہبی علوم میں اس قدر دسترس تھی کہ صاحب فتوٰی صحابہؓ میں شمار ہوتا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما جو علوم قرانیہ میں سب سے نمایاں تھے وہ ان کے تفقہ فی الدین اور قران مجید کی تفسیر وتاویل کے معترف تھے۔ 163 احادیث آپ رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں۔

رسالت ماب صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ ام المومنین حضرت ام حبیبہ رملہ رضی اللہ عنہا کے حقیقی بھائی تھے۔ ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا! **فان اللّٰہ ورسولہٗ لیحبانہ** اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم معاویہ سے محبت کرتے ہیں اس رشتہ کے لحاظ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بہنوئی اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے برادر نسبتی تھے دوسرا رشتہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہ ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیوی قریبۃ الصغریٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی بہن تھیں اس رشتے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ہم زلف تھے۔

سیدنا علی اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہما: جنگ صفین کے بعد کسی نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے سامنے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ رضی اللہ عنہ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا معاویہ رضی اللہ عنہ کو برا بھلا نہ کہو جب معاویہ رضی اللہ عنہ تمہارے درمیان سے اُٹھ جائیں گے تو تم دیکھو گے کہ بہت سے سر تن سے جدا ہو جائیں گے۔ ایک موقع پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا معاویہ میرا بھائی ہے ہم اس کی برائی پسند نہیں کرتے۔

سیدنا حسن اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہما: سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے خلافت سے دستبردار ہو کر امامت وخلافت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دی اور فرمایا میں معاویہ رضی اللہ عنہ کو ان لوگوں سے بہتر سمجھتا ہوں جو اپنے آپ کو شیعان علی کہتے ہیں۔

سیدنا حسین اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہما: سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی تو کوفیوں نے ان دونوں شہزادوں کو ورغلانے کی ناکام کوشش کی۔ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے بیعت توڑنے سے انکار کر دیا اور فرمایا۔ میں نے معاویہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی ہے اور عہد کر لیا ہے اب میرے لیے توڑنا

مشکل ہے۔

وصیت اور وفات: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی آخری وصیت میں فرمایا:

"اللہ کا خوف کرتے رہنا خوف کرنے والے کو اللہ مصائب سے بچائے گا جو اللہ سے نہیں ڈرتا اس کا کوئی مددگار نہیں۔ پھر اپنے ذاتی مال میں سے آدھا بیت المال میں جمع کرانے کا حکم دیا۔ تجہیز وتکفین کے متعلق وصیت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک کرتہ عنایت فرمایا تھا۔ اس کو اس دن کیلئے میں نے محفوظ کر لیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے

● میں حکومت سے کہتا ہوں کہ:
وہ مفلسی وبیروزگاری کے مسئلے کو حل کرے
جو حکومتیں
اس [redacted]
یہ مسئلہ [redacted]

(جلسۂ عام سے خطاب، ۱۹۳۰ء موچی دروازہ لاہور)

حضرت امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

بال مبارک اور ناخن شیشہ میں محفوظ ہیں۔ اس کرتہ میں مجھے کفن دینا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ناخن اور بال میری آنکھوں میں رکھ دینا۔"

ان وصیتوں کے بعد 22 رجب 60 ھجری میں انتقال کیا۔ سیدنا ضحاک بن قیسؓ نے نماز جنازہ پڑھائی۔

● "میں سر سے پاؤں تک سیاسی آدمی ہوں۔ میری یہ دِلی آرزو ہے کہ مسلمان رہوں اور اسلام پر قائم رہ کر مروں۔ مجھے اس بات پر فخر ہے کہ میں اسلام کا فرزند ہوں۔"

(۱۴ر جون ۱۹۳۱ء، بٹالہ)

● استبداد کی چکی کا دستہ
گورے کے ہاتھ میں ہو یا کالے کے ہاتھ میں
چکی وہی رہتی ہے......اور

میں اس چکی کو توڑ دینا چاہتا ہوں

______________ (جلسۂ عام سے خطاب، ۱۹۳۰ء موچی دروازہ لاہور)

- میں حکومت سے کہتا ہوں کہ:

وہ مفلسی و بیروزگاری کے مسئلے کو حل کرے

جو حکومتیں

اس مسئلے کو حل نہیں کرتیں.....تو

یہ مسئلہ اُن حکومتوں کو حل کر دیتا ہے

______________ (جلسۂ عام سے خطاب، ۱۹۳۰ء موچی دروازہ لاہور)

محمد عرفان الحق ایڈووکیٹ

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور تاریخی روایات

قرآن وحدیث جیسے معطر گلدستوں کو چھوڑ کر تاریخ کے رطب و یابس پر اعتماد کرنے والوں کو کس طرح باور کروایا جائے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا دورِ حکومت اسلامی تاریخ کا وہ عظیم الشان سنہرا دور ہے، جس کی مثال بعد از خلفائے راشدینؓ چودہ سو سال کی اسلامی تاریخ میں کہیں نہیں ملتی۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی رفیق، برادر نسبتی، ہم زلف، کاتب وحی اور کئی بشارتوں کے مصداق، عظمت و کردار کے گوہر، تابدار صحابی ہیں۔ لسانِ نبوت نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو جنتی کہہ کر ان کی عدالت و دیانت پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔

ان کی شان میں ادنیٰ سی گستاخی بھی بہت بڑا گناہ اور سینکڑوں برس کی عبادت کو غارت کر دینے کے مترادف ہے۔ خرابی کی جڑ اس وقت پیدا ہوتی ہے جب ہم صحابہؓ کا تعارف قرآن وحدیث کو چھوڑ کر تاریخ سے مانگتے ہیں۔ اسی وجہ سے ہمارے دور میں دو فتنوں نے سر اٹھایا ہے جو دراصل یہ لوگ عہد اولیں کے دو گروہوں (نواصب وروافض) کے خوشہ چیں ہیں۔ انہیں کی روایات کو بنیاد بنا کر انہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو موضوع بحث بنایا ہوا ہے۔ پاکستان میں ایک گروہ نے لاہور سے ایسا لٹریچر شائع کیا جو حضرت معاویہ، حضرت مغیرہ بن شعبہ، حضرت عمرو بن العاص اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم پر روافض کی قدیم تاریخوں کے حوالے سے ایسی ایسی نازیبا باتوں پر مشتمل ہے جو گندی ڈھیری میں ڈالنے کے قابل ہے۔ زہر میں چینی ملا کر نہایت ہوشیاری سے نئی نسل کو گمراہ کرنے کی سازش کی گئی ہے۔ ”خلافت اور ملوکیت“ کے دو عنوانوں کی آڑ لے کر معاذ اللہ صحابہ رضی اللہ عنہم پر بدنیتی، خود غرضی اور گناہ و معصیت کے الزامات عائد کر دیئے گئے۔ ردِ عمل کے طور پر ایک

دوسرا گروہ کراچی سے نمودار ہوا، اُس کا دعویٰ یہ تھا کہ انہوں نے تاریخ کی روشنی میں حضرت علی اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم کو بزدل، ناکام حکمران، حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو باغی اور غیر صحابی (العیاذ باللہ) ثابت کر کے اپنے تئیں بڑا تیر مارا۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں قرآن وسنت کے واضح نصوص وفرامین کے باوجود قلم کاروں نے کیا کیا قلابازیاں کھائی ہیں، دونوں کی بنیاد تاریخ ہی تاریخ ہے۔ افسانوں اور من گھڑت کہانیوں پر مشتمل موضوعات اور جعلی قصے ہیں۔ پیشہ ور واعظوں، کرائے کے ذاکروں، چیخنے چلانے والے جاہل قسم کے مقررین، قرآن وحدیث کے تقاضوں سے ناآشنا بعض مولوی، واہ واہ سننے والے دادخواہ خطیبوں اور جذبۂ مسابقت رکھنے والے مرثیہ خوانوں نے افسانہ نگار مؤرخوں کو بھی مات دے رکھی ہے۔

انسانی عقل جن روایات کا ماتم کرتی ہے، جن کہانیوں کے صحیح تسلیم کرنے سے صحابہ رضی اللہ عنہم کی پوری جماعت یک گونہ مجرم قرار پاتی ہے، وہ قصے اور افسانے جن کا حقائق سے دور کا بھی واسطہ نہیں، آج کل ہمارے اسٹیجوں، ٹی وی چینلز اور دین کا بنیادی علم نہ رکھنے والوں کے موضوعات کی زینت ہیں۔ سامعین کو رلانے اور رقت پیدا کرنے کیلئے بالکل بے بنیاد اور جھوٹی کہانیوں پر مشتمل قصے سنائے جاتے ہیں اور افسوس کہ ہم سب یہ لغو اور خرافات سے بھرپور کہانیاں سن کر غفلت اور بے حسی کی سیاہ وتاریک چادر تان لیتے ہیں۔ کاش ہم جان سکیں کہ من گھڑت قصے سن کر خاموش رہنا کتنا بڑا گناہ اور اس کے نتائج کتنے سنگین ہوتے ہیں۔

تاریخ جب ناقابلِ اعتبار ہو جائے تو پھر کیا کیا جائے؟ احوال وقائع کے بارے میں کہاں سے استفادہ حاصل کیا جائے؟ اس سوال کا جواب واضح ہے کہ تاریخ کی ہر ایسی روایت کو نظر انداز کر دیا جائے جو صحابیت کا تقدس مجروح کرتی ہو۔ کیونکہ قرآن وحدیث کی واضح ہدایت کے مقابلے میں ان کی کوئی حیثیت نہیں۔ آئمہ کی تصریحات کے مطابق بعد کی تاریخوں میں ''تاریخ طبقات ابن سعد'' اور ''ابن خلدون'' ایسی تاریخیں ہیں جنہیں کسی حد تک قابلِ اعتبار مجموعہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ چونکہ ایمان کا معیار و مدار صحابۂ کرامؓ ہیں اس لیے بعض صحابہؓ سے تکوینی طور پر جو چند نامناسب باتیں ظہور پذیر ہوئیں یا چند لغزشیں یا مشاجرات رونما ہوئے، ان کا مقصد یہ تھا کہ امت کے لیے اصول وقانون اور قواعد وضوابط مقرر ہو جائیں۔ یہ لغزشیں وغیرہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تو سرزد نہیں ہونے تھے کیونکہ گناہ سے معصومیت نبوت کا خاصہ ہے، اسی لیے نبوت والا یہ کام رب العزت نے صحابیت سے سرانجام دلوایا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم معصوم نہیں مگر محفوظ ضرور ہیں۔ ان کی کوتاہیاں قرآن کی صراحت کے بعد بالکل معاف ہو گئیں بلکہ ان رضی اللہ عنہ سے سرزد لغزشوں کو نیکیوں میں تبدیل کر دیا گیا اور ان کے ذمہ کوئی گناہ باقی نہ رہا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے لے کر حضرت وحشی رضی اللہ عنہ بن حرب تک، کوئی صحابی رضی

اللہ عنہ بد دیانت یا خود غرض نہیں بلکہ تمام صحابہ محفوظ عن الخطاء اور نیک نیت، صاحبِ عدالت یعنی حق و انصاف پر قائم تھے۔اسی لئے امتِ مسلمہ پر واجب ہے کہ وہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے حساس معاملات میں شکوک وشبہات میں پڑنے کے بجائے، اُن معاملات کی مثبت توجیہ کریں اوراپنے ایمان کو، شیعہ، خوارج اور ناصبیوں کے شرانگیز فتنہ سے محفوظ رکھیں۔علامہ محبّ الرحمٰن بغدادی رحمۃ اللہ علیہ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

''اور ہمارے اسلاف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت! سو شیطان نے ایسے لوگ مسلط کر دیے جن کے قلوب بد ترین تھے اور ان سے صرف برائی ٹپکتی تھی۔انہوں نے ان رضی اللہ عنہ کے خلاف خود پروپیگنڈہ کیا یہاں تک کہ اکثر لوگوں نے ان کے اس جھوٹے پروپیگنڈہ کو سچ سمجھ لیا۔نتیجہ یہ ہوا کہ ہم ایک ایسی امت کے ہو کر رہ گئے جن کی کوئی عظمت اور بزرگی نہ ہو۔تعجب ہے اس امت پر کہ یہ اپنے جلیل القدر فرزندوں (صحابہ رضی اللہ عنہم) کی برائیاں بیان کرتی ہے اور اپنی ہی تاریخ کے خوبصورت دور کو بدترین انداز میں پیش کرتی ہے۔اور پھر ان برائیوں کا پروپیگنڈہ اتنا وسیع ہوتا ہے کہ نیک لوگوں کو بھی گمان ہو جاتا ہے کہ شاید یہ باتیں سچی ہوں''۔

تاریخ کے اوراق میں سب سے زیادہ جس صحابی رضی اللہ عنہ کی نسبت ہرزہ سرائی کی گئی، وہ مظلوم انسان کوئی اور نہیں بلکہ امیر المؤمنین سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذاتِ اقدس ہے، جن کے فضائل ومناقب، حیرت انگیز خدمات اور بے مثال اسلامی عہد کو یکسر نظرانداز کر کے ایسی ایسی غلط وکفریہ اور بے بنیاد باتیں ان کی نسبت گھڑی گئیں کہ الامان والحفیظ۔جاننا چاہیے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتہائی قریبی رشتہ دار، صحابی اور خصوصی خدام میں سے تھے۔ایسی عزت کے حامل انسانوں کا روشن اور چندے آفتاب وچندے ماہتاب کردار، سینکڑوں برس بعد دشمنی کی بنیاد پر مرتب کردہ تاریخ کی بناء پر کیسے مجروح ہو سکتا ہے؟ حضرت معاویہؓ کے بارے میں جس شخص کا نظریہ وعقیدہ رافضیت وسبائیت کی ریزہ چینی کا سزاوار ہے یا تاریخ کے چیتھڑوں کا رہین ہے، اسے حقائق پر نظر ڈالنی چاہئے۔اس لیے کہ جہاں ابن سباء یہودی (شیعہ مذہب کا بانی) کے نظریات سے دامن بچا کر صحابیٔ رسول کی عظمت کا اعتراف لازمی ہے، وہاں سچی توبہ کر کے راہِ ہدایت پر گامزن رہنا بھی ازحد ضروری ہے۔

تاریخ اسلام کا ایک دلچسپ سوالنامہ:

قیصر روم نے حضرت معاویہؓ کی طرف خط لکھا کہ مجھے درج ذیل کے بارے میں اطلاع دی جائے:

☆ ایسی جگہ جس کا کوئی قبلہ نہ ہو۔

☆ ایسا شخص جس کا کوئی باپ نہ ہو۔

☆ ایسا شخص جس کا کوئی سابقہ خاندان نہ ہو۔

☆ ایسا شخص جس کو لے کر اس کی قبر چلی ہو۔

☆ وہ تین چیزیں جو کسی رحم مادر میں پیدا نہ ہوئی ہوں۔

☆ مکمل شے، آدھی شے اور لا شے (نہ ہونا) کسے کہتے ہیں؟

☆ نیز ان کے علاوہ اس خط کے ساتھ ارسال کردہ بوتل میں دنیا کی ہر چیز کے بیج مجھے ارسال کیے جائیں۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ خط اور بوتل، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں مطلوبہ جوابات کے لیے ارسال کر دیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا کہ:

☆ ایسی جگہ جس کا کوئی قبلہ نہ ہو..... خانہ کعبہ ہے۔

☆ ایسا شخص جس کا کوئی باپ نہ ہو..... حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔

☆ ایسا شخص جس کا کوئی سابقہ خاندان نہ ہو..... حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔

☆ ایسا شخص جس کو لے کر اس کی قبر چلی ہو..... حضرت یونس علیہ السلام ہیں۔

☆ وہ تین چیزیں جو کسی رحم مادر میں نہ پیدا ہوئی ہوں، یہ ہیں:

۱۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا دنبہ

۲۔ قوم ثمود کی اونٹنی

۳۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا اژدہا

☆ مکمل شے: وہ شخص جو صاحب عقل ہو، اپنی عقل سے کام بھی لیتا ہو۔

☆ آدھی شے: وہ شخص جو صاحب عقل نہ ہو لیکن دوسرے عقل مند لوگوں کی رائے سے عمل کرتا ہو۔

☆ لا شے: وہ شخص جو صاحب عقل نہ ہو لیکن دوسرے عقل مند لوگوں کی رائے سے بھی عمل نہ کرتا ہو۔

☆ مذکورہ بوتل، ابن عباسؓ نے پانی سے بھر دی اور فرمایا کہ دنیا کی ہر چیز کا بیج یہی ہے۔ کیونکہ قرآن میں ہے کہ اللہ نے ہر زندہ چیز کو پانی سے پیدا فرمایا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ان جوابات کے ساتھ مذکورہ بوتل، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اُسے قیصر روم کی طرف ارسال کر دیا۔ یہ سب کچھ جب قیصر روم کے پاس پہنچا تو اس نے لاجواب ہو کر کہا کہ یہ باتیں کسی نبی ہی کے گھر والوں سے حاصل ہو سکتی ہیں۔

﴿بحوالہ: الکامل اللمبرد؛ ج۲ص ۴۵۷﴾

ماہانہ مجلس ذکرو اصلاحی بیان
26 مئی 2016ء
جمعرات بعد نمازِ مغرب
دارِ بنی ہاشم
مہربان کالونی ملتان
ابن امیرِ شریعت
حضرت پیر جی
سید عطاء المہیمن بخاری دامت برکاتہم
(امیر مجلس احرار اسلام پاکستان)
نوٹ: ہر انگریزی ماہ کی آخری جمعرات کو بعد نمازِ مغرب مجلسِ ذکرو اصلاحی بیان ہوتا ہے
الداعی سید محمد کفیل بخاری ناظم مدرسہ معمورہ دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان 061-4511961

خطاب: امام اہلِ سنت سید ابو معاویہ ابو ذر حسنی بخاری رحمہ اللہ	قسط نمبر ا

سیرت وسوانح، امیر المؤمنین، خلیفۂ راشد

سیدنا معاویہ سلام اللہ ورضوانہ علیہ

جمعۃ المبارک، ۲۳؍ رجب ۱۳۹۸ھ / ۳۰؍ جون ۱۹۷۸ء

خطبۂ مسنونہ:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نُؤْمِنُ بِهٖ وَ نَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَ مَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَ نَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ فِي الْخَلْقِ وَالْاَمْرِ وَ نَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَ مَوْلٰنَا مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ لَا نَبِيَّ بَعْدَهٗ وَ لَا رَسُوْلَ بَعْدَهٗ وَ لَا اُمَّةَ بَعْدَ اُمَّتِهٖ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ وَ بَارَكَ وَ سَلَّمَ تَسْلِيْماً كَثِيْراً كَثِيْرا. اَمَّا بَعْدُ!

أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً وَاللّٰهُ قَدِيْرٌ وَّاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ. (الممتحنۃ:۷)

ترجمہ: یہ معاملہ بہت نزدیک آ لگا ہے کہ اللہ تمھارے اور اُن لوگوں کے درمیان جن سے تم دشمنی کرتے رہے ہو، دلی محبت ڈال دیں اور اللہ ہر چیز پر قابو یافتہ ہیں اور اللہ بہت پردہ پوش اور مہربان ہیں۔

اس دھرتی پر پہلا یومِ معاویہ:

بزرگو اور دوستو! یہ نہ کوئی جلسہ ہے اور نہ کوئی باضابطہ اجتماع ہے۔ بلکہ ایک عزیز کی معصوم تمنا و آرزو اور بہت نیکی کے جذبے سے بھری ہوئی ایک پُر خلوص کوشش ہے جس کی خاطر بہت کچھ سوچ کر میں بیماری کے باوجود چلا آیا ہوں۔ میں آج بارہ روز کے بعد گھر سے باہر نکلا ہوں۔ طبیعت میری ایسی رہی ہے کہ اکثر نماز یں بیٹھ کر پڑھتا رہا۔ صرف یہ سوچ کر آ گیا ہوں کہ ملک میں یہ کام تو میں نے ہی شروع کیا تھا۔ اگر دعویٰ کروں تو غلط نہیں، تعلّی اور تکبر بھی نہیں کہ اس ملک میں سب سے پہلی مرتبہ رجب ۱۳۸۱ھ، ستمبر ۱۹۶۱ء میں سب سے پہلا وہ شخص میں ہوں جس نے ''یومِ معاویہ'' منانے کی داغ بیل ڈالی۔ ملتان میں پابندیاں قبول کیں، جیل جانا قبول کیا، لاکھوں گالیاں کھائیں، ساتھیوں کو پٹوایا، گھروں پر گولیوں کی بارش ہوئی، آگ لگائی گئی، دس بارہ چوریاں ہوئیں، قاتلانہ حملے ہوئے، بائیکاٹ ہوا۔ یہ سب کچھ میری وجہ سے ہوا تو میں نے یہ سوچا کہ ایک عزیز نے قربانی دی ہے، برسوں کے بعد اس نے ایک نیک جذبہ کے ساتھ اس کام کو بڑی پُر خلوص محفل کی شکل میں منعقد کرنا چاہا ہے، بھرے پُرے جلسوں میں چلے جانا، بڑی کانفرنسوں میں شریک ہو جانا تو ہر ایک کر سکتا ہے مزہ تو تب ہے کہ دو آدمی بھی اس کام کے لیے جمع ہوں اور آدمی خلوص سے وہاں پہنچے۔ ایمان کا امتحان اس میں ہے۔ میں اللہ کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ صرف اس لیے آیا کہ یہ شخص یہ نہ کہے کہ ''آگے پیچھے تو ڈھنڈورا پیٹتا ہے اور جب وقت آیا کام کا تو گھر سے باہر نہیں نکلا۔'' مجھے بیٹھے بیٹھے احساس ہوا کہ گھر سے نکل کر جب میدان میں چند قدم گیا ہوں تو دل ڈوبتا تھا۔ پتا نہیں کوئی اِس کی دعا لگی ہے، آپ لوگوں کی دعا ہے، پھر لاری میں بیٹھ گیا، یہاں آیا، تو وہ حالت نہیں تھی، طبیعت بحال تھی۔ اس کو آپ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی کرامت کہہ لیں، ان بھائیوں کی دعا کہہ لیں یا ان کے پُر خُلوص جذبہ کی تاثیر۔

ذِکرِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے مسلمانوں کی مجرمانہ غفلت:

ہمارے بعض ''اہل السنّت والجماعت'' کہلانے والوں کے دل و دماغ کا یہ حال ہے کہ اُن کو اپنے بڑوں، بزرگوں کا علم نہیں، وہ نہیں جانتے کہ ہمارا دوست کون ہے؟ ہمارا دشمن کون ہے؟ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ ارشاد فرمایا اس کی روشنی میں مسلمان خود جائزہ لے لیں، آپ خود بیٹھ کر غور کریں تو آپ کو محسوس ہوگا جیسے یہ آپ نئی باتیں سن رہے ہیں، ایک نئے آدمی کا تعارف حاصل کر رہے ہیں۔ ہم جانتے ہی نہیں وہ کون ہے؟ جہاں محفل میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا ذکر آیا، لوگوں کی آنکھیں چھت کی طرف لگ جاتی ہیں کہ یہ کیا ہے؟ کون آدمی تھا؟ یہودی و سبائی پروپیگنڈے کی یلغار اتنی زبردست ہے کہ مسلمانوں کو اپنے ہیروز، اپنے رہنماؤں اور

اپنے اکابر کا علم نہیں۔ ان کو ''کرشن''، ''رام چندر''، ''گورونانک'' اور یہودیوں کے پیشواؤں کا علم ہے، ماؤزے تنگ، لینن، سٹالن، ابراہام لنکن کو وہ جانتے ہیں، جارج واشنگٹن، چرچل، چمبرلین، مارکس اور اینگلز کو جانتے ہیں۔ نہیں جانتے تو ''امیر معاویہ'' کو نہیں جانتے۔ آپ اندازہ کریں کہ شراب پینے والے، بغیر ختنہ کے ساری زندگی گزارنے والے، زنا کی نجاست ہر وقت جن کے لباس سے ٹپکتی ہو، اُن حرامیوں کو تو ہم جانتے ہیں لیکن جن کے دم قدم سے اسلام کی بہار دنیا میں آئی، اُن سے ہم واقف نہیں۔ کفر اور شرک کے مجسّمے، دہریت اور ارتداد کے جو مجسم تابوت ہیں، اُن بدمعاشوں سے تو ہم آشنا ہیں، ہمارے بچوں، بڑوں کے گھروں میں اُن کا لٹریچر موجود ہے۔ ایک نہیں ہے تو ہمیں اپنے بڑوں کا علم نہیں ہے کہ ہمارے بزرگ کون تھے؟ یہ پروپیگنڈے کا اثر ہے اس کا علاج بجز اس کے کچھ نہیں کہ آپ چھوٹی چھوٹی باتوں کو نظر انداز کر کے اس بات کو آگے چلائیں، گھروں میں محفلیں منعقد کریں، جیسے آج یہ منعقد ہوئی ہے۔ میری تمنا ہے کہ اب یہ سلسلہ رکنا نہیں چاہیے۔ آگے بڑھنا چاہیے۔

ذکرِ معاویہ رضی اللہ عنہ عبادت ہے:

آپ اس کو عبادت سمجھیں۔ اپنے بزرگوں کو یاد کرنا کوئی بدعت نہیں ہے۔ قرآن پڑھ کے بخش دینا یہ بدعت ہے؟ غریبوں کو کھانا کھلا دینا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دوستوں کو یاد کرنا، یہ اگر بدعت ہے تو پھر معاذ اللہ سارا دین بدعت ہے۔ بدعت یہ ہے کہ ہم اپنی طرف سے ایک نیا مسئلہ بنائیں اور کہیں کہ ''اگر اس کو نہیں کرو گے تو گناہ ہوگا، کرو گے تو ثواب ہوگا۔ یہ بدعت ہے۔ جو چیز اوپر سے چلی آتی ہو وہ کوئی بدعت نہیں۔ ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمان و علی، حسن و حسین رضی اللہ عنہم کا نام لینا یہ بدعت ہے تو پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت بیان کرنا معاذ اللہ سب سے بڑی بدعت ہے۔ جس کو بیان کرنے میں دیوبندی، بریلوی سب لگے ہوئے ہیں۔ میں کہتا کہ نہ وہ بدعت ہے نہ یہ بدعت ہے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیرت بیان کرنا عبادت ہے۔

کافر کو مسلمان اور مسلمان کو کافر کہنا کفر ہے:

آج اگر کوئی شخص چودہ سو برس کے بعد یہ کہے کہ ابوجہل مسلمان تھا۔ یہ کہنے سے وہ کافر ہو جائے گا کیونکہ اللہ پاک نے چودہ سو برس پہلے فرما دیا:

اِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا سَوَآءٌ عَلَيۡهِمۡ ءَاَنۡذَرۡتَهُمۡ اَمۡ لَمۡ تُنۡذِرۡهُمۡ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ. (البقرہ: ۶)

بلا شک وہ لوگ جنھوں نے حق کا انکار کیا اُن کے لیے ایک جیسی بات ہے چاہے آپ اُن کو عذاب سے ڈرائیں یا نہ ڈرائیں وہ اب ایمان نہیں لائیں گے۔

اور یہ بات متفقہ ہے کہ یہ آیت ابوجہل اور اس کی پارٹی کے متعلق نازل ہوئی تو اللہ کو جھوٹا کہنا کفر ہے۔ جس

نے ابوجہل کو مسلمان کہا، گویا اس نے اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ کو جھوٹا کہا۔ اسی طرح عبداللہ بن اُبی منافق گزرا ہے۔ آج اگر چودہ سو برس کے بعد کوئی شخص کہے کہ عبداللہ بن اُبی بڑا پکا مسلمان تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کا جنازہ پڑھا، اپنا کرتہ مبارک اُتار کر اس کو کفن میں ڈال دیا۔ اپنا پاک لعاب اُس کے جسم پر لگایا۔ یہ تو پیغمبر نے اپنی مہربانی دکھائی چونکہ ابھی وحی نہیں آئی تھیں کہ کیا سلوک کرنا ہے منافقوں سے، پیغمبر نے روحانی باپ ہونے کی وجہ سے جو شفقت وہ کر سکتے تھے وہ کر کے دکھائی کہ میں تو یہاں تک بھی کرنے کو تیار ہوں، بخشانہ بخشنا اللہ کا کام ہے۔ اُدھر سے جواب آ گیا میں نہیں بخشوں گا۔ یہ تمھارے دشمن، تمھارے دین کے دشمن، تمھارے دوستوں کے دشمن، میری کتاب کے دشمن، تمھارے کیسے دوست ہو سکتے ہیں؟ باقی جو آپ نے کر دیا آئندہ نہیں کرنا۔ دسویں پارے میں حکم آ گیا، آئندہ نہ جنازہ پڑھنا، نہ اِن کی قبر کے پاس کھڑے ہونا۔ لَا تَقُمْ عَلٰی قَبْرِهٖ اگر کوئی منافق مرجائے تو جنازہ پڑھنا تو دور کی بات ہے۔ اے نبی اب اُن کی قبر کے پاس بھی کھڑے نہ ہونا۔ اُن کے متعلق میں نے فیصلہ کر دیا ہے:

اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ مَاتُوْا وَ هُمْ فٰسِقُوْنَ. (التوبہ:۸۴)

بلاشک ان منافقین نے اللہ اور اس کے رسول کا انکار کیا ہے اور وہ مر گئے حالانکہ وہ اللہ کے نافرمان تھے۔

یہ اندر سے پکے کافر ہیں۔ منافق اس لیے ان کو کہا جاتا ہے کہ ان کے دل میں سوراخ ہے۔ ایمان ٹکتا نہیں اِدھر سے جاتا ہے اُدھر سے نکل جاتا ہے۔ منافقت کہتے ہیں دوغلے پن کو کہ آدمی دو طرف چلے۔ اِدھر بھی اُدھر بھی۔ عربی میں ایک لفظ ہے نافِقاء۔ نافِقاء کہتے ہیں سرنگ کو، سوراخ کو، جو دونوں طرف سے نکلتا ہے۔ تو منافق کو منافق اس لیے کہتے ہیں کہ اُس کے دل میں اِدھر سے ایمان جا رہا ہے، اُدھر سے کفر آ رہا ہے۔ اُدھر سے کفر آیا تو اِدھر سے ایمان آیا۔ سرنگ بنی ہوئی ہے اُس کے دل میں قرار نہیں ہے ایمان کو۔ اسی لیے اُسے منافق کہا جاتا ہے۔ منافق بھی اندر سے کافر ہوتا ہے۔ چنانچہ دیکھ لیجیے اس آیت میں فرمایا گیا کہ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ ، حالانکہ فرمانا یہ چاہیے تھا اِنَّهُمْ نَافَقُوْا بِاللّٰهِ کہ انھوں نے منافقت کی۔ نہیں کہ وہ اندر سے کافر ہی ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے منکر ہیں۔ اب اگر کوئی چودہ سو برس کے بعد عبداللہ بن اُبی کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کی وجہ سے آج مسلمان کہے تو سمجھ لو کہ اُس نے معاذ اللہ، اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جھوٹا کہا۔ وہ کافر ہو جائے گا۔

تجلی و تاثیرِ نبوّت اور مقام و منصبِ صحابہ رضی اللہ عنہم:

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی ہیں اور حضور علیہ السلام کے زمانہ کا کوئی ادنیٰ درجہ کا مسلمان بھی جس نے ایک منٹ کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ دیکھا، وہ ہمارے لیے سردار ہے۔ اگر ہمارے ماں باپ اور بزرگوں کو لمبی عمریں مل جائیں۔ ان کی نمازیں، نوافل، تلاوتِ قرآن اور تہجد قضا نہ ہو، ساری عمر وہ ایک بھی گناہ نہ کریں، تمام عمر وہ حج اور

عمرہ کرتے رہیں تو صحابہ کی ایک منٹ کی عبادت کا مقابلہ نہیں کرسکتے۔ علماء نے لکھا ہے کہ قیامت کے دن کوئی شخص ساری زندگی کی نیکیاں لے آئے گا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کی زیارت کہاں سے لائے گا؟ یہ لفظ لکھے ہیں بزرگوں نے، فقہاء نے کہ صحابہ جب قیامت میں آئیں گے تو اللہ تعالیٰ اُن سے پوچھیں گے کہ تمھارے پاس کیا دولت ہے؟ وہ کہیں گے کہ آپ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ دیکھا تھا اُس کی روشنی اور تجلّی ہم پر پڑی ہوئی ہے اور ہم کچھ نہیں جانتے۔ یہ سب سے بڑی دولت ہے۔ علماء اور اولیاء لکھتے ہیں کہ طویل ترین عمر ہو جائے کسی ولی کی، اس کی ہڈی پسلی سوکھ جائے عبادت کرتے کرتے، وہ سب کچھ لے آئے گا۔ اللہ تعالیٰ راضی بھی ہو جائیں گے، جنت میں گھر بھی مل جائے گا لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کا نور اس کی آنکھوں میں کہاں سے آئے گا؟ وہ سوائے صحابہ کے کسی کو نصیب نہیں۔ تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سب سے فضیلت بڑی یہ ہے کہ انھوں نے ایک بھی نفل نہ پڑھا ہو، ایمان لانے سے پہلے وہ ساری عمر کفر کرتے رہے ہوں۔ شراب اور بدکاری میں بھی اُن میں سے اگر کوئی مبتلا رہا ہو تو ہو، لیکن ایمان لانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کی تجلّی پڑنے کے ساتھ ہی سب کفر، شرک اور نفاق بھسم ہو گیا، اُس تجلّی کا اثر اتنا ہے کہ پھر دل میں نہ منافقت باقی رہتی ہے، نہ شرک باقی رہتا ہے، نہ بدعت باقی رہتی ہے۔ تو میں نے گزارش کی کہ جیسے کسی کافر اور کسی منافق کو مسلمان کہنا کفر ہے، ایسے ہی کسی صحابی اور مسلمان کو کافر کہنا بھی کفر ہے۔ جیسے کافروں کے متعلق، ابوجہل کی پارٹی کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا سَوَآءٌ عَلَیۡہِمۡ ءَاَنۡذَرۡتَہُمۡ اَمۡ لَمۡ تُنۡذِرۡہُمۡ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ. (البقرہ:۶)

اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم فکر نہ کریں، زیادہ غم کھانے کی ضرورت نہیں۔ آپ اپنا فرض ادا کر رہے ہیں۔ یہ مسلمان نہیں ہوں گے، باقی آپ کو حکم اس لیے دیا ہے کہ ڈیوٹی ہے۔ ڈیوٹی میں نتیجہ کوئی نکلے نہ نکلے جتنا وقت ہے ڈیوٹی کا، وہ حکم ہوتا ہے اس کام کو کرو، چاہے نتیجہ کچھ نکلے یا نہ۔ آپ کی ڈیوٹی ہے نبی ہونے کی حیثیت سے کہ چاہے کوئی نتیجہ نکلے یا نہ نکلے، آپ کام کرتے جائیں۔ باقی آپ کی تسلی کے لیے بتا دیتا ہوں کہ ابوجہل اور اس کی پارٹی مسلمان نہیں ہوگی۔ ابوجہل اس میں شامل تھا۔ یہ حضرت عمر ابنِ خطاب رضی اللہ عنہ کا رشتہ میں حقیقی ماموں ہے۔ اور اس میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے نانا ''عتبہ'' شامل ہے۔ اس میں انھی کا رشتہ دار ''شیبہ'' شامل ہے۔ اسی میں کعبۃ اللہ کی کنجی جس خاندان کے پاس ہے۔ شیبہ وہ بھی شامل ہے۔ اس میں امیر معاویہ کا سگا بڑا ماموں ''حنظلہ'' وہ بھی شامل ہے، اس میں امیر معاویہ کی پھوپھی، حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی بہن، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چچی ''اُمّ جمیل حَمَّالَۃَ الحَطَبِ'' بھی شامل ہے۔ یہ سب کفار تھے جنھوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اتنا تنگ کیا ہے کہ دنیا میں کسی نبی کو بھی اتنا تنگ نہیں کیا گیا چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وَاللّٰہِ مَا اُوۡذِیَ نَبِیٌّ مِثۡلَ مَا اُوۡذِیۡتُ، نبی کو قسم کھانے کی ضرورت نہیں، نبی کا تو وجود ہی قسم ہے۔ فرماتے

ہیں اللہ کی قسم! دنیا میں کسی نبی کو اللہ کے رستے میں اتنا تنگ نہیں کیا گیا جتنا مجھے تنگ کیا گیا ہے۔ نبی کو قسم کھانے کی ضرورت محسوس ہوئی۔

ابوجہل اور اس کی پارٹی کا انجام:

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے غزوۂ بدر میں پیش گوئی آ گئی۔ کافر اپنے مورچوں میں تھے۔ حضور علیہ السلام ریت کے ٹیلے کے پاس تھے، تو کنویں کے پاس آ کر کھڑے ہو گئے، اس کو ''قلیبِ بدر'' کہتے ہیں۔ بدر کا بے آباد کنواں۔ چھڑی ہاتھ میں تھی یا تلوار یا نیزہ، جگہ جگہ نشان لگاتے پھرتے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم۔ فرماتے تھے شیبہ یہاں گرے گا، عتبہ یہاں گرے گا، ابوجہل یہاں گرے گا، اُمیہ بن خلف یہاں گریگا، تم دیکھ لینا ان میں جہاں جہاں میں نے کہا ہے یہیں اُس کی موت ہوگی۔ چنانچہ غزوۂ بدر کا جب خاتمہ ہو گیا، صحابہ نے دیکھا کہ جس جس جگہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نشان لگایا تھا مکّہ کا ہر بڑا کافر وہیں مرا پڑا تھا۔ تو اللہ کی طرف سے ڈیوٹی تھی۔ وہ ڈیوٹی ادا ہو گئی۔

تو جس طرح کافروں کو مسلمان کہنا غلط ہے، منافقوں کو مسلمان کہنا کفر ہے، ایسے ہی اللہ کریم نے جن لوگوں کو مسلمان قرار دے دیا اُن میں سے ادنیٰ درجے کے ایک آدمی کو بھی یہ کہنا کہ ''یہ مسلمان نہیں تھا'' یا ''دشمنِ رسول تھا'' یا ''منافق'' تھا، یہ اللہ کو اور اس کے رسول کو معاذ اللہ جھوٹا کہنے کے برابر ہے، یہ بھی کفر ہے۔

سیدنا معاویہ اور عمِ رسول سیدنا عباس رضی اللہ عنہما کا اسلام:

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو تو پروردگارِ عالم نے تین چار سال دیے، حضور کی خدمت میں رہنے کے۔ آخری دو سال تو علانیہ ہیں اور روایات اکثر یہ ہیں کہ سن سات ہجری میں عمرہ ہوا، عمرۃ القضاء، اس موقع پر خفیہ آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں پر مکّہ میں اسلام قبول کیا، ماں باپ راضی نہیں تھے۔ ابوسفیان اور بی بی ہندہ راضی نہیں تھیں۔ علماء نے لکھا ہے، میں اکثر بیان کرتا ہوں۔ امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ، امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ جنھوں نے بخاری کی شرح لکھی ہے ''فتح الباری'' انھوں نے اپنی کتاب میں لکھا ہے اور اس میں مَیں لفظ بڑھایا کرتا ہوں کہ جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ۔ کہ اللہ اور اللہ کے رسول کے حکم کی وجہ سے انھوں نے ہجرت نہیں کی تھی۔ حالانکہ اُس دور میں ہجرت فرض تھی بلکہ نشانی تھی مومن اور مسلمان ہونے کی۔ جو آدمی ہجرت نہیں کرتا تھا، فتویٰ لگ جاتا تھا کہ یہ منافق اور بے ایمان ہے لیکن حضرت عباس کے متعلق اللہ کی مرضی تھی کہ یہ ہجرت نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ اُن سے جو کام لے رہے تھے وہ یہ تھا کہ وہ اپنے اخلاق سے، میل جول سے، محبت سے، پیار سے، معاملات سے، مکہ کے کافروں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کی تبلیغ کر رہے تھے۔ غزوۂ بدر کے بعد اُن کا اپنا دل پلٹ گیا۔ قلبی طور پر وہ مسلمانوں کے قریب ہو گئے۔ اندر سے وہ سمجھ گئے کہ میرا بھتیجا خالی بھتیجا نہیں، انھیں حاکم بننے کی توجہ نہیں، بادشاہت کا ان کو خیال نہیں،

یہ فی الواقع سچے ہیں۔لیکن مجبوری یہ تھی کہ مکہ کے سرداروں سے ابھی اُن کی طاقت زیادہ نہیں ہوئی تھی کہ وہ اُن کو منوا سکیں۔ تو ظاہر سے کافر رہے اور اندر سے مسلمان ہوگئے تو حضرت عباس ابن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے جیسا خفیہ اسلام قبول کیا، علماء نے لکھا ہے۔ویسے ہی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے خفیہ اسلام قبول کیا:

”عَلٰی مَا حکاہُ الواقدیُّ بَعدَ الْحُدَیْبِیَّۃِ وَ قَالَ غیرُہٗ بل یومَ الحُدَیْبِیَّۃِ وَ کَتَمَ اِسْلَامَہٗ عَنْ أَبِیْہِ وَ أُمِّہِ حَتّٰی أَظْھَرَہٗ یَوْمَ الْفَتحِ فَھُوَ فِیْ عُمْرَۃِ الْقَضِیَّۃِ الْمُتَأَخِّرَۃِ عَنِ الْحُدَیْبِیَّۃِ الْوَاقِعَۃِ سَنَۃَ سَبْعٍ قَبْلَ فَتحِ مَکَّۃَ بِسَنَۃٍ کَانَ مُسْلِماً“ (تطہیر الجنان، ص: ۷)

’’واقدی کی روایت کے مطابق (امیر معاویہ کا اسلام) حدیبیہ کے بعد ہوا، اور اُس کے علاوہ دوسرے علماءِ سیرت و تاریخ کہتے ہیں بلکہ خود حدیبیہ کے دن وہ مسلمان ہوئے اور انھوں نے اپنے باپ اور ماں سے اپنا اسلام چھپائے رکھا حتّٰی کہ فتحِ مکہ کے دن اُسے ظاہر کیا، تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ۷ ھ میں حدیبیہ کے بعد فتحِ مکّہ سے ایک سال پہلے ادا ہونے والے عمرۃ القضاء کے موقع پر مسلمان تھے اور عمرہ میں حضور علیہ السلام اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ شریک تھے۔‘‘

جیسا کہ میں کہتا ہوں عباس ابن عبدالمطلب نے۔انھوں نے غزوۂ بدر کے بعد اسلام خفیہ قبول کیا، ظاہر وہ بھی اُسی دن ہوئے فتحِ مکّہ کے دن اور سات ہجری میں امیر معاویہ نے خفیہ اسلام قبول کیا اور ظاہر وہ بھی فتح مکہ کے دن ہوئے۔اپنے ماں باپ، بہن بھائیوں کے ساتھ آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوئے۔لوگوں نے یہ سمجھا اب مسلمان ہوا ہے۔وہ حجۃ الوداع سے تین سال پہلے خفیہ مسلمان تھے۔ان باتوں کو یاد رکھیں۔یہی باتیں قابل غور ہیں۔ یہی تاریخ ہے، یہی سیرت ہے۔

فضائل ومناقبِ معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق تاثر اور تمنا:

میں تو دعا کرتا ہوں اور میری یہ تمنا ہے کہ میرے جو ساتھی ہیں۔جو کچھ میں نے تیس برس میں حاصل کیا، بال سفید کیے اللہ کرے وہ ساری معلومات ان کو مل جائیں۔کیونکہ اللہ کا خزانہ تھوڑا نہیں۔آدمی کا خزانہ محدود ہوتا ہے۔مجھے اللہ تعالیٰ اس سے دوگنا چوگنا دے سکتے ہیں۔میں آپ کو بلا مبالغہ کہتا ہوں کہ میں نے فارغ التحصیل ہونے کے بعد سولہ برس صرف سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خاطر سیرت کی کتابیں پڑھیں۔آپ یقین کریں، مجھے چین نہیں آتا تھا دن رات۔میں نے کہا یا قرآن سچا ہے یا یہودی سچے ہیں، یا حدیثِ رسول سچی ہے، یا رافضی سچے ہیں۔یہ ہو نہیں سکتا کہ ہو رسول کا دوست، اس کا رشتہ دار اور ہو منافق، یہ نہیں ہوسکتا۔پھر جو کتاب مل سکی ہے وہ پڑھی ہے۔میں بفضلہٖ تعالیٰ کسی سے متاثر نہیں ہوں۔ ماں باپ نے مجھے جو روٹی کھلائی اور استادوں نے مدرسہ میں جو پڑھایا، خدا کے فضل سے میری عقل میں اللہ نے اتنی قوت عطا کی کہ میں نے جو روٹی کھائی اس کے بدلے میں عربی پڑھی، میں نے دل میں یہ کہا کہ عربی کس دن کے لیے پڑھی ہے؟

اس کے بعد پھر کیا آڑھت کی دکان کھولنی ہے؟ یہ عربی اسی دن کے لیے پڑھی تھی کہ جو کتابیں پڑھنے کے قابل ہیں اب اُن کو خود پڑھو، پھر جو کتاب مل سکی ہے میں نے وہ چھوڑی نہیں۔ مکہ و مدینہ سے منگوائی۔ تاریخ کی نو بڑی کتابیں ہیں، اُن میں سے الحمدللہ سات دیکھ چکا ہوں۔ دو باقی ہیں وہ ملی نہیں۔ ایک پہلی صدی کی ہے، ایک پانچویں چھٹی صدی کی لیکن باقی جو اہم ترین کتابیں ہیں اسلام کی تاریخ کی، وہ ساری دیکھ چکا ہوں جو کچھ مجھے مل سکا وہ میں نے پڑھا۔ میں ایسے ہی نہیں بول رہا۔ اندھیرے میں بٹیر نہیں پکڑ رہا۔ اللہ کا فضل ہے، آنکھیں کھول کر دن کی روشنی میں مضبوط بنیادوں پر میرے ہاتھ پاؤں ہیں۔ عَلٰی بَصِیْرَةٍ اَنَا وَ مَنِ اتَّبَعَنِیْ. (میں خود بھی عقل و شہادت کی روشنی میں جادہ پیا ہوں اور میرے پیروکار بھی) جس کا جی چاہے مجھے پہاڑ کی چوٹی پر لے چلے، جنگل میں لے چلے، ان شاء اللہ جو یہاں کہتا ہوں، اس سے زیادہ ثبوت اور مضبوطی کے ساتھ وہاں بھی کہوں گا۔ جب لوگ گمراہی اور بدمعاشی میں پیچھے نہیں ہٹتے تو ہم کیوں ہٹیں، عقیدہ بھی سچا اور ہم پھر شکست مان لیں؟ الٹے بھاگیں، کمزوری دکھائیں، منافقت کریں، حیلے بازی کریں، تاویلیں کریں، ایسا کریں گے تو اللہ ناراض ہو جائے گا۔ اللہ ناراض ہو گیا تو پھر کون بچائے گا؟ قیامت کے دن اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جانا پڑا اور آپ کی آنکھیں سرخ ہو گئیں تو پھر اللہ کے عذاب سے کون بچائے گا؟ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اتنا فرما دیا کہ "میرا کلمہ پڑھا تھا اور میرے یاروں کو گالیاں ملتی تھیں! تم بیٹھے سنتے رہے، تمھیں شرم نہیں آئی؟ اس کا کوئی جواب ہے کسی کے پاس؟ وہاں پر یہ کہو گے کہ جی ہم تو آپ کے داماد علی کی محبت میں لگے ہوئے تھے۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ علی میرا داماد تھا اور معاویہ میرا سالا تھا، تم نے ان میں فرق کیوں کیا؟ اس کا جواب یہیں سے سوچ لینا چاہیے، صحابہ کا دشمن پیغمبر علیہ السلام کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے گا۔

بدعقیدہ اُمّتی، نبی کے سامنے کیسے کھڑا ہوگا؟

آدمی اپنے باپ کی شرم کرتا ہے۔ پردیس میں ہو، ملازمت ہو، کاروبار ہو، وہاں جا کر عادات بدل جائیں، گھر میں نمازی تھا، نیک تھا، اچھے اخلاق تھے۔ پردیس میں گیا، سگریٹ شروع کیا، پھر شراب شروع کی، پھر بدکاری کے اڈے، سینما اور ڈانس ہال میں گیا، آوارہ گردی کی، سفید کتیا کے ساتھ وہاں لو میرج Love Marrige (یارانہ شادی) کی، اپنی بیوی کو چھوڑ دیا، منگیتر کو طلاق بھیج دی۔ اب جب لوٹنے کا وقت آیا تو دل میں سوچ پیدا ہوئی کہ اگر باپ سے آنکھیں چار ہوئیں تو کیا کروں گا؟ ماں کے سامنے گیا تو کیا جواب دوں گا؟ معصوم بہنیں سامنے آ گئیں تو کیا بولوں گا؟ تو جیسے ایک کمینہ رذیل انسان اپنے نفس کی بدمعاشیوں پر شرمندہ ہو کر تنہائی میں دنیا کے آدمیوں کو جواب دینے کے متعلق گھبراتا ہے۔ اس کو سوچ لینا چاہیے کہ قبر کی وہ گھاٹی جس میں پتا نہیں کتنے ہزار سال ہماری ہڈی پسلی گل جانے کے بعد ہم کو پڑے رہنا ہے، بولنے کا یارا نہیں ہوگا، ہلنے کی سکت نہیں ہوگی۔ کوئی دین دنیا کی ہمیں خبر نہیں ہوگی اُس گھاٹی سے اٹھنے کے بعد قیامت

کو جواب دینا ہوگا، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو، اُس پسینے کو پونچھنے والا کہاں سے لائیں گے ہم؟ اس کی تیاری اب کرنی چاہیے۔ ڈھونڈیں، غور کریں، علماء سے پوچھیں کہ آپ لوگ کیوں ہمیں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیرت نہیں سناتے؟ آپ کو روٹی کا ڈر ہے؟ روٹی تو آپ کو اتنی ملتی ہے کہ آپ سُکھا سُکھا کر بیچتے ہیں، دال اتنی بُس جاتی ہے کہ اگر محلّہ میں تقسیم کی جائے، دس آدمیوں کے گھر کا کھانا چل سکتا ہے، کس چیز کی کمی ہے آپ کو؟ عذاب کیا آ گیا ہے؟ جو مولوی نہیں بولتے، اُن کو پکڑیے، جھنجھوڑیے کہ جب روٹی آتی ہے اللہ اور رسول کے نام پر تو پھر اس روٹی کو حلال کرو۔ روٹی تو حلال تبھی ہوگی کہ مار کھاؤ، گالیاں سنو، طعنے سنو، تو اللہ تمہیں عزت دے گا اور اگر دنیا کی عزت کے پیچھے بھاگو گے تو اللہ اور ذلیل کر دے گا۔ حدیث شریف میں آتا ہے۔

''مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ''

''جو شخص اللہ کے لیے جھک جائے گا اللہ اُس کو اونچا کر دیں گے۔''

عقیدہ ایثار و قربانی چاہتا ہے:

جو اللہ کے لیے عاجز ہو جائے گا، مسکین بن جائے گا، دنیا کی گالیاں سنے گا، دین کی خاطر ذلیل اور بدنام ہونے کے لیے تیار ہو جائے گا تو اللہ تعالیٰ اُس کو اونچا کر دے گا۔ اس کو دنیا میں کوئی ذلیل نہیں کر سکتا۔ ظاہری ذلّت آئے گی حقیقت میں اُس کا درجہ بلند ہو جائے گا۔ میں آپ کے سامنے بیٹھا ہوں اور یہ میرا بڑا بیٹا بیٹھا ہے۔ اس کا نام میں نے محمد معاویہ رکھا تو کئی کروڑ گالیاں میں نے سنیں۔ میں نے اللہ کے سامنے ایک ہی عرض کی کہ آپ تو جانتے ہیں میں نے کس نیت سے یہ نام رکھا ہے؟ آج اس کا نتیجہ یہ ہے کہ سیکڑوں بستیوں میں معاویہ نام رکھے جا رہے ہیں۔ یہ بدعت نہیں، اس دور کی ایک دینی ضرورت ہے۔ صحابہ کا نام رکھنا دین کی بنیادوں کو مضبوط کرنے کے برابر ہے۔ میں نے کوئی اپنے باپ کے لیے تو حدیث نہیں پڑھی کہ میرے باپ کا نام رکھنا ضروری ہے، یا میں نے اپنے چچا کا نام نہیں لیا، میں نے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی کی خاطر یہ کیا اس لیے کہ لوگوں نے انھیں یہودیوں کے پروپیگنڈے کی وجہ سے بدنام کیا۔ جب تک ہم میں سے کوئی شخص صحابہ کے لیے قربانی نہیں دے گا، مار نہیں کھائے گا، گالیاں نہیں کھائے گا، کفارہ ادا نہیں ہو سکتا۔ سب سے پہلے اپنے آپ کو پیش کیا۔ اپنے گھر میں ہزاروں کی باتیں سنیں، گھر والوں کی باتیں سنیں، سُسرال والوں کی باتیں سنیں، میکے والوں کی باتیں سنیں، دیوبندی، بریلوی، اہل حدیث سب کی سنیں۔ شیعہ کی بھی گالیاں کھائیں، سب کچھ ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے کھڑے رہنے کی توفیق نصیب فرمائی۔ اس کا نتیجہ دیکھتا ہوں کہ غریبوں کے ہاں بچوں کے نام ''محمد معاویہ'' رکھے جا رہے ہیں۔ میں اگر چپ کر جاتا اور لوگوں کو تبلیغ کرتا کہ اپنے بچوں کا نام محمد معاویہ رکھو تو وہ کہتے تیرا بیٹا آسمان سے اُترا ہے؟ اُس کا نام کیوں نہیں رکھتا؟ ہمیں جوتیاں لگواتے ہو اور اپنے آپ کو بچاتے ہو۔ میں نے پہلے اپنے آپ کو جوتیاں کھانے کے لیے پیش کیا۔ نتیجہ یہ ہے کہ آدمی

جوتیاں کھانے کے لیے باہر آ گئے۔ جب تک ہمارے واعظ، ہمارے مبلغ، ہمارے مولانا صاحبان، ہمارے خطیب خود گالیاں کھانے کے لیے تیار نہیں ہوں گے، خود اپنے آپ کو دنیا میں اللہ کے دین کی خاطر عاجز اور ذلیل کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں گے، اللہ انھیں عزت نہیں دے گا۔ آج اللہ کے فضل سے، آپ کی دعاؤں سے میری آنکھیں اونچی ہیں۔ میرے تعارف کی ضرورت نہیں جس جس بستی میں بچے کا نام محمد معاویہ رکھا جا رہا ہے۔ لوگ پوچھتے ہیں کہ جی بچے کا کیا نام ہے؟ انھوں نے کہا جی ''محمد معاویہ'' کہنے لگے! جی آپ کا ابوذر بخاری سے تو کوئی تعلق نہیں؟ انھوں نے کہا: ''جی ہاں'' کہنے لگے ہمیں پہلے ہی سے خطرہ تھا، یہ آواز وہیں سے آ رہی ہے۔ اللہ کے فضل سے گاڑی چل رہی ہے۔ درخواستیں لے کر لوگ کچہری اور میونسپل کمیٹی ملتان میں گئے۔ انھوں نے کہا ''جی آپ کا نام'' کہا ''ابو معاویہ'' اس نے قلم رکھ دیا، ایڈمنسٹریٹر کہنے لگا: آپ کا تعلق ابوذر بخاری سے ہے؟ انھوں نے کہا کہ جی آپ کو اس سے کیا بحث؟ کہنے لگا! میں آپ کے نام کی وجہ سے پوچھتا ہوں۔ کہنے لگے کہ جی ہاں ہے تو سہی۔ کہنے لگا میں تبھی سمجھا تھا کہ ایسا نام کوئی دوسرا نہیں رکھ سکتا۔ مجسٹریٹوں نے قلم رکھ دیے۔ یہ پچھلے سال کا واقعہ ہے، وہ منہ دیکھنے لگ گئے کہ ''یہ نام کاغذات پر اور کچہری میں کیسے آ گیا ہے؟'' بات کیا ہے؟ جب تک جرأت نہیں کی جائے گی دین کی خاطر مار کھانے کی، دشمن نہیں دوست بھی متاثر نہیں ہوں گے۔ اگر گھر میں قربانی کا جذبہ ہو گا تو آپ باہر کسی کو کہہ سکتے ہیں۔ باپ نماز نہ پڑھے اور بیٹے کو کہے اُٹھ تہجد پڑھ۔ رات کے ڈھائی بج گئے ہیں، فرشتے اتر رہے ہیں، اللہ کی رحمت پہلے آسمان پر آئی ہوئی ہے، وہ کہہ سکتا ہے کہ میرے لیے پہلے آسمان پر آئی تمھارے لیے تو پھر چھت پر ہونی چاہیے۔ تم کیوں نہیں اٹھتے، تم تو لیٹے ہوئے خراٹے بھر رہے ہو اور مجھے کہہ رہے ہو کہ تہجد پڑھ۔ میں تو ایک نماز بھی نہیں پڑھوں گا، تم پہلے مجھے پانچ نمازیں پڑھ کر دکھاؤ تو پھر میں بھی تہجد کی کوشش کروں گا۔ ہمیشہ کسی سے عمل کرانے کے لیے پہلے اپنا عمل شرط ہے۔ اللہ کا بڑا کرم ہے۔ میں کوئی شے نہیں۔ اللہ کی مخلوق میں عاجز ترین گنہگار آدمی ہوں۔ مجھے قیامت تک کروڑوں سال کی عمر مل جائے تو میں اللہ کا شکر ادا نہیں کر سکتا کہ اللہ نے مجھے اس چھوٹی سی نیکی کی توفیق بخشی اور اس پر ثابت قدم رہنے کی توفیق بخشی۔

اِس دور میں ذکرِ معاویہ وسیرتِ معاویہ اور اُن کے لیے ایصالِ ثواب بڑی عبادت اور جہاد ہے:

میں تقریر نہیں کرنا چاہتا، میں تو صرف اس تقریب میں شریک اس لیے ہو گیا تا کہ آپ دوستوں اور بزرگوں میں اس تقریب کی اہمیت پیدا ہو۔ تکلیف کے باوجود آ گیا ہوں لیکن میری تکلیف کل سے کم ہے۔ واللہ اعلم کیا چیز ہے۔ میں نے دوا بھی کم کھائی ہے، غذا میں بھی بد پرہیزی کی ہے، اس کے باوجود اللہ نے پھر کرم کیا ہے۔ آپ کے سامنے بیٹھا ہوں۔ تو میں صرف اسی لیے آ گیا کہ میرا ایک ساتھی، (شاہد صدیق) میرا ایک عزیز، میں اس کو چھوٹا بھائی سمجھتا ہوں، بھتیجا بھی سمجھتا ہوں بہت کچھ سمجھتا ہوں اور سب سے بڑی بات ہے کہ دین کے تعلق کی وجہ سے یہ مجھے عزیز ہے۔ میرا اس کے سوا ان لوگوں سے کیا رشتہ ہے؟ انھوں نے دین کی وجہ سے میرے ساتھ محبت کی، مجھے ان کے ساتھ محبت ہے۔ میں نے سوچا

کہ جب اس شخص نے ایک عملی قدم اٹھایا ہے تو میرا جانا فرض ہے۔ میں نے ملتان شہر میں جمعہ چھوڑ دیا۔ مجھے کل کہا گیا کہ تم جمعہ پڑھاؤ۔ میں نے کہا بالکل نہیں، میں اگر جاؤں گا تو کل وہاڑی جاؤں گا، کہنے لگے کیوں؟ میں نے کہا وہاں ایک ساتھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے ایصال ثواب کر رہا ہے جو بہت بڑا کام ہے۔ اس وقت میں، اس دور میں جہاد ہے، جب اپنے دشمن ہوں بیگانوں کا تو چھوڑو، اس دور میں اس ساتھی کے پاس جا کر بیٹھ جانا بھی سعادت اور ثواب سمجھتا ہوں۔ میں کہوں گا کہ میرے جو دوست دیہات میں رہتے ہیں وہ دیہات میں یہ کام کریں جو شہر میں ہیں وہ شہر میں اس کام کو شروع کریں، ہر مہینے اُن کی یاد میں ایک محفل ہونی چاہیے اور ایک صحابی نہیں، صحابی اور بھی ہیں۔ حضرت معاویہ، حضرت مغیرہ بن شعبہ، حضرت عمرو بن عاص، حضرت شرحبیل بن حسنہ، حضرت مروان بن حکم یہ پانچ دس بزرگ خاص طور پر ایسے ہیں کہ ان لوگوں کی یاد میں محفل منعقد کرنا، ان کی یاد منانا، ان کو ایصالِ ثواب کرنا، ان بزرگوں کے کارنامے بیان کر کے اپنے مسلمان بھائیوں دوستوں کو تعارف کرانا یہ بہت بڑی ضرورت اور نیکی ہے۔ (جاری ہے)

محمد سلمان قریشی

منقبت در مدحِ سیدنا حسن سلام اللہ علیہ

ہیں دِل کی دھڑکن وہ فاطمہؓ کے تو نورِ چشمِ علیؓ حسنؓ ہیں
چمن نبیؐ نے لگایا تھا جو اسی چمن کی کلی حسنؓ ہیں

خطابت ایسی کہ لفظ و معنی کے جھرنے دِل میں اترتے جائیں
جلا جو بخشے دِل و نظر کو وہ ایسی اک روشنی حسنؓ ہیں

اٹھا کے کندھوں پہ ابن زہراؓ کو بولے صدیقؓ یہ علیؓ سے
نہیں شباہت میں آپ جیسے مگر شبیہِ نبیؐ حسنؓ ہیں

بنا ہے سید یہ میرا بیٹا صلح کرائے گا مسلمیں میں
لسانِ آقاؐ سے دنیا والو! جنھیں بشارت ملی حسنؓ ہیں

معاویہؓ سے مصالحت میں ذرا بھی تاخیر تم نہ کرنا
یہ بات حضرت علیؓ نے جن سے بوقتِ رحلت کہی حسنؓ ہیں

نفاق سے اور مقاتلت سے بچا کے امت جنھوں نے یارو!

جنابِ حضرت معاویہؓ کو خلافت اپنی جو دی حسنؓ ہیں
کیوں اجلے دامن سے جل رہا ہے معاویہؓ کے، بتا تُو شیطاں!
معاویہؓ سے ہجومِ خلقت میں جن کی بیعت ہوئی حسنؓ ہیں
صحابہؓ آپس میں رحم دِل ہیں مگر اے سلمان! یہ بھی سچ ہے
کتابِ امن اور آشتی کا وہ ایک بابِ جلی حسنؓ ہیں

عتبان محمد چوہان

غزل

اُٹھ گیا تیرے آستانے سے
تجھ کو نسبت ہی کیا دوانے سے

ہم کو کچھ فرق ہی نہیں پڑتا
اُن کے آنے سے، اُن کے جانے سے

تیری یادوں کے سلسلے جاناں
جان جاتی ہے ٹوٹ جانے سے

کچھ مہذب نہ ہوسکا انسان
صرف بستی نئی بسانے سے

تو جسے سنگِ راہ سمجھا تھا
ہم ہی بیٹھے تھے وہ، زمانے سے

بس درندے نکل رہے ہیں اب
بَن کے دنیا کے کارخانے سے

تم یہ سمجھے، رقیب جیسے ہیں!
''ہم بھی مر جائیں جان جانے سے''

وہ مرے منتظر ہیں خلوت میں
آ ہی جائے کسی بہانے سے

آدمی معتبر نہیں ہوتا
سر کو دستار میں چھپانے سے

گر یہ عتباںؔ ہی نہ ہو لوگو
باز آجاؤ گے ستانے سے؟

(۱۳/اپریل ۲۰۱۶ء، مطابق ۵/رجب المرجب ۱۴۳۷ھ)

میجر سعید اختر

سید وکیل شاہ بخاری رحمتہ اللہ علیہ

اُو مردِ خوش خِصال و نیک خُو بُود
حیا دار و غیور و صُلح جُو بُود

حلیم و صابر و جُویائے تسلیم
فہیم و بُردبار و خندہ رُو بُود

عُلوم و آگہی صہبائے اُو شُد
دریں میخانہ، خُود جام و سُبو بُود

کہ صدہا تِشنہ کام از ایں نوشیدند
ہزاراں را نوشیدن آرزو بُود

نہ داماد عطا اُو را فقط دان
مُراد و اِعتماد و دادِ اُو بُود

کفیل و ذوالکفل را پدرِ مُشفق
برائے خواہرانِ آنہا حِصارِ آبرو بُود

الٰہی از تو بر اُو جُود خواہم
کہ اُو بر خَلقِ تو ، خُود نرم رُو بُود

☆......☆......☆

حبیب الرحمٰن بٹالوی

حافظ سید محمد وکیل شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

”یہ سوچ کر میں نے چنی ہے آخری آرامگاہ
میں تھا مٹی اور مجھے مٹی کا گھر اچھا لگا“

۱۶/اپریل ۲۰۱۶ء بروز ہفتہ سید وکیل شاہ جی بھی ہمیں داغ مفارقت دے گئے۔ دوسرے دن صبح سات کے قریب ان کا جسد خاکی جلال باقری قبرستان میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے پہلو میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ طبیعت ان کی کافی دنوں سے مضمحل چلی آرہی تھی۔ خبریں اچھی نہیں مل رہی تھیں۔ کولہے کی ہڈی کے فریکچر کے بعد ان کی نقل و حرکت اولاً لاٹھی کے سہارے اور پھر مریضوں والے واکر پر گھر سے باہر دار بنی ہاشم کے صحن اور پھر گھر تک محدود ہو کے رہ گئی تھی۔ اخبار بینی دوست احباب سے ملاقات، مجلسی زندگی ان کا خاصہ تھا۔ کبھی دور تھا کہ ان کی زندگی میونسپل کالج اوکاڑہ سے لے کر خیر المدارس اور پھر تعلیمی بورڈ ملتان سے زکریا یونیورسٹی تک پھیلی ہوئی تھی۔ سائیکل پر ایک سال خوردہ ”پھرتیلا نوجوان“ کبھی سول لائنز کالج جاتے ہوئے نظر آتا اور کبھی علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کے دفتر میں دکھائی دیتا۔ اگر کسی امتحانی سنٹر میں طلباء کنٹرول نہیں ہو رہے تو چاہے وہ یونیورسٹی ہو یا بورڈ کا امتحان ایف اے، ایف ایس سی کا معرکہ ہو یا ایم اے، ایل ایل بی کا محاذ، شاہ جی کو بلایا جاتا کہ مہربانی کریں۔ پھر ایک دفعہ یہ بھی دیکھا گیا کہ شہر کا ایک اہم سول افسر ایل ایل بی کے امتحان میں نقل کرتے ہوئے پکڑا گیا پوری انتظامیہ اس کی پشت پر ہے، سفارشی ہے مگر ہمارے شاہ جی کہتے ہیں مجھے معلوم ہے ڈسپلن کمیٹی آپ کو چھوڑ دے گی مگر میں اپنا فریضہ ضرور پورا

کروں گا کہ میرا ضمیر مطمئن رہے۔ انھوں نے کام کرتے ہوئے کسی کی تعریف کی توقع یا کسی کی ملامت کی کبھی پروا نہیں کی۔ نڈر اور بے باک ہو کر کام کرتے۔ صاف ستھری زندگی بسر کی۔ انتہائی شریف النفس نیک اور صالح آدمی تھے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد ملتان یونیورسٹی، بعدازاں تعلیمی بورڈ ملتان میں بطور چیف سکریسی آفیسر ایک عرصہ کام کیا مگر کسی تخت نشیں کے سامنے کبھی جھکے نہیں، بکے نہیں۔ کام ملتا ہے نہیں ملتا۔ کبھی پروا نہیں کی کہ اقبال کا یہ مردِ درویش اس ابدی اور آفاقی عقیدے پر یقین رکھتا تھا کہ

تیری خاک میں ہے اگر شرر تو خیالِ فقر و غنا نہ کر	کہ جہاں میں نانِ شعیر پر ہے مدارِ قوتِ حیدری

شاہ جی سے میری ملاقاتوں کا سلسلہ کوئی نصف صدی پر محیط ہے۔ جب تعلیمی بورڈ ملتان وجود میں آیا اور مارکنگ کے لیے پرچے گھروں میں بھیجے جاتے تھے۔ شاہ جی اوکاڑہ سے اپنے ساتھی علامہ فضل احمد عارف (جنھوں نے تسبیح فاطمہؓ، سیرت بایزیدؒ اور استخارے کی حقیقت جیسی وقیع کتابیں تصنیف کیں) کے ہمراہ، پرچے جمع کرانے کے لیے دفتر تشریف لایا کرتے۔ میں تو کچھ بھی نہیں تھا ان بزرگوں کے سامنے طفلِ مکتب تھا۔ ان کی عظمت اور بڑھائی کا معترف ہوں کہ مجھ ہیچ مدان کو ملاقات کا شرف بخشتے۔ طویل گفتگو رہتی۔

مختار مسعود نے اپنی کتاب ''آوازِ دوست'' میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمتہ اللہ علیہ کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر کیا ہے:

> ''اردو نے جب بھی اپنے سرمایہ افتخار پر ناز کیا تو اسے بہت سے لوگ یاد آئیں گے۔ ان میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمتہ اللہ علیہ بھی شامل ہوں گے۔ میں شاہ جی کی تقریر سے محروم رہا تو تقریب بہر ملاقات نکال لی۔ یہ ملاقات منشی عبدالرحمٰن خاں کے ذمہ تھی۔ انھوں نے شاہ جی سے بات کی تو وہ ٹال گئے کہنے لگے کہ میں ساری عمر انتظامیہ سے لڑتا آیا ہوں۔ ڈپٹی کمشنر اگر بلانا چاہے تو وارنٹ گرفتاری نکالے میں نے عرض کیا، میں نے تو شاہ جی سے حاضری کی اجازت چاہی تھی۔ اگلے ہی روز شاہ جی میرے یہاں مہمان بن کر تشریف لے آئے۔ گفتگو شروع ہوئی تو منشی عبدالرحمٰن نے کاغذ نکالا اور یادداشت لکھنے میں مشغول ہو گئے یہ ملاقات کوئی تین گھنٹوں پر محیط تھی اور وہ جو ایک نوجوان اور تھا وہ تمام وقت خاموش بیٹھا رہا۔''

وکیل شاہ صاحب کہتے ہیں کہ وہ نوجوان میں تھا۔ چنانچہ ملتان بورڈ کی ملازمت کے دوران جب وکیل شاہ جی وہاں چیف سیکریسی آفیسر تھے۔ ان سے بہت ساری باتیں ہوتی رہیں اور شاہ جی کی یہ یادوں بھری باتیں اور باتوں بھری یادیں ایک عہد کی حیثیت رکھتی ہیں جو وسعت داماں کی متقاضی ہیں۔

ملتان یونیورسٹی میں سابق کنٹرولر چودھری شفیق احمد اور ڈپٹی کنٹرولر لالہ ظفران کے قریبی دوستوں میں سے تھے ان میں لالہ ظفر جب بھی دار بنی ہاشم آتے، شاہ جی راقم کو بھی یاد فرماتے شاہ جی ایک باغ و بہار طبیعت کے مالک تھے۔ ہنسی

مزاح کے پھول بکھیر رہے تھے کہ چائے آ گئی لالہ ظفر کی رگِ ظرافت پھڑک اٹھی۔ کہنے لگے شاہ جی یہ میری ڈیوٹی (Due Tea) ہے۔ یعنی یہ میری وہ چائے ہے جو آپ کی طرف بنتی تھی۔

شاہ جی ایک مرنجاں مرنج طبیعت کے مالک تھے۔ مجلسی زندگی پر جان دیتے تھے۔ بذلہ سنجی، لطیفہ گوئی اور حاضر دماغی ان کی طبیعت کا زیور تھا۔ ایک روز دفتر میں بیٹھے ہوئے، ساتھیوں میں سے ایک گھریلو مسائل کا رونا رو رہا تھا صنفِ مخالف میں نشاطِ شادی کے بعد پیدا ہونے والی مستی کا ذکر کر رہا تھا۔ کہ شاہ جی نے یہ واقعہ سنا کر محفل کو زعفران زار بنا دیا۔ فرمانے لگے: ایک آدمی ہوٹل میں گیا، بیرا آیا۔ کہا، کہیں سے ٹوٹا ہوا پرانا چھابا لے کے آؤ۔ وہ لے آیا پھر وہ آدمی اس بیرے سے کہنے لگا۔ اب اس طرح کرو کہ اپنے ہوٹل کے تندور سے دو جلی ہوئی روٹیاں لے کر آؤ۔ بیرے نے پریشان ہو کر پوچھا جناب! مسئلہ کیا ہے میری سمجھ میں نہیں آیا۔ گاہک تو اچھی اچھی چیزیں طلب کرتے ہیں۔ جواب دیا ’’میں ذرا گھر کا ماحول بنانا چاہتا ہوں‘‘

شاہ جی اکثر اپنے دوستوں کا ذکر کرتے۔ ان میں سے انگریزی کے پروفیسر شیخ فیاض کے بارے میں کہتے یہ میرا دوست شیخ بھی ہے اور فیاض بھی ہے۔ ہے نا مزے کی بات! پروفیسر صابر لودھی کی باتیں کرتے ہوئے ایک دفعہ بتایا کہ پروفیسر صابر کے والد صاحب کو آخر عمر میں فالج ہو گیا تھا۔ وہ ویسے ہی ہڈیوں کا ڈھانچہ تھے۔ صابر لودھی اپنے درس و تدریس کے فریضہ سے فارغ ہو کر ہمہ وقت والد صاحب کی خدمت میں گزارتے۔ اٹھاتے، بٹھاتے، لٹاتے، کروٹ بدلتے، دوا دارو اپنے ہاتھ سے دیتے۔ صابر لودھی کہتے ہیں ایک دفعہ میں گھر آیا تو والد صاحب کو چارپائی پر نہ پایا۔ وہ کہیں ادھر ادھر ہوتے ہواتے، لڑھک کر گر گئے۔ دیکھا تو چارپائی کے نیچے پڑے ہوئے تھے۔ میں نے انھیں اپنے ہاتھوں میں اٹھایا۔ بڑے پیارے سے ان کا بوسہ لیا۔ چارپائی پر لٹایا۔ اب وہ مجھے کوس رہے ہیں۔ برا بھلا کہہ رہے ہیں کہ تیری وجہ سے یہ سارا کچھ ہوا ہے۔ میں ان سے پیار کر رہا ہوں اور کہہ رہا ہوں ابا جی! آج آپ مجھے بہت خوبصورت لگ رہے ہیں۔ جی چاہتا ہے آپ کی شادی کر دوں!

شاہ جی کا گھرانہ دین و دانش کا گہوارہ ہے۔ بڑی سے بڑی مصیبت میں بھی حوصلہ ہمت نہ ہارنا ان کا خاصہ ہے۔ سید ذوالکفل بخاری کی جدائی پر تعزیت کرنے والوں میں، میں بھی شامل تھا۔ اندر سے ٹوٹ پھوٹ رہا تھا۔ طبیعت سنبھل نہیں پا رہی تھی۔ تقریباً سبھی کا یہی حال تھا۔ معاویہ شاہ جی کہہ رہے تھے ’’استاد جی دھوکا دے گئے‘‘ الیاس میراں پوری کے آنسو نہیں تھمتے تھے۔ ریاض جام اور ماسٹر محمد یوسف حسرت و یاس کی تصویر بنے بیٹھے تھے۔ جیسے

قوائے بدن سب چُور ہوئے اک دل کے شہادت پانے سے   فوجوں میں تلاطم برپا تھا سالار کے مارے جانے سے

وکیل شاہ جی ہمیں کہنے لگے یار! تم لوگوں کو ہمیں حوصلہ دینا چاہیے۔ تمہارا اپنا یہ حال ہے تو ہم کدھر جائیں۔ بڑی ہمت کے ساتھ انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھتے جاتے۔ مگر جوان موت، ایک خوبصورت اور خوب سیرت بیٹے (کہ مشفق خواجہ، ڈاکٹر

اسلم انصاری اور حبیب الرحمٰن ہاشمی جیسے لوگ جس کے مداح تھے) کی موت سے، شفقت پدری کی کمر اسی دن دوہری ہوگئی تھی۔ جس دن عطاء المکرم اور عطاء المنعم کے سر سے سایہ اٹھ گیا تھا۔ صبیح الحسن اور عطاء المنان کی دین ودنیا کی نشو ونما کا ابتدائی در بند ہوگیا تھا۔ کفیل شاہ جی کا بازو کٹ گیا تھا اور بہنوں کی آنکھوں کا چراغ بجھ گیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آج اپنے مشفق ومہربان بھائی وکیل شاہ صاحب کی موت پر مرتضیٰ شاہ جی حزن وملال کی زبانِ حال میں گویا ہیں :

’’ممکن نہیں ہے درد کا اظہار دوستو! لیکن نہیں ہے موت سے انکار دوستو
اک شخص جس نے زندگی میری سنوار دی کیسے بھلاؤں اس کا بھلا پیار دوستو
وہ باپ، دوست، بھائی تھا سب کچھ میرے لیے صنّاعِ خدا کا تھا شاہکار دوستو
اس کی نصیحتیں ہیں مجھے یاد آج بھی وہ میرے کارواں کا تھا سالار دوستو
اس کی لحد کو اے خدا جنت نظیر کر دامن میں اپنی دیں پناہ، سرکارؐ دوستو

مولانا جمیل الرحمٰن عباسی

پروفیسر عطاء اللہ اعوان صاحب کا سانحہ ارتحال

پروفیسر عطاء اللہ اعوان صاحب کا نام بھی میرے موبائل کی ڈائری سے کٹ کر قرطاسِ دل پر ہمیشہ کے لئے نقش ہوگیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

۷ اپریل بروز جمعرات دو بجے استاذ محترم مولانا مفتی عطاء الرحمٰن صاحب مدظلہ کے ساتھ مرکزی عیدگاہ میں جب جنازہ کے لئے پہنچا تو وہاں مولانا عزیز الرحمٰن جالندھری مدظلہ کو بھی جنازہ میں شرکت کا منتظر پایا تب حضرت مفتی صاحب مدظلہ سے پوچھا کہ جنازہ کس کا ہے؟ مفتی صاحب نے بتایا:

’’پروفیسر عطاء اللہ اعوان صاحب کی رحلت ہوگئی ہے، ان کی نماز جنازہ ادا کرنی ہے‘‘

بے ساختہ زبان سے انا للہ وانا الیہ راجعون نکلا اور میں نے مفتی صاحب سے عرض کیا کہ اعوان صاحب نے تو میرے سامنے اس بات کا اظہار فرمایا تھا کہ:

’’میں نے مفتی عطاء الرحمٰن صاحب کو کہہ دیا ہے کہ میری نماز جنازہ آپ نے پڑھانی ہے‘‘

مفتی صاحب نے اسی موقع پر فرمایا کہ انہوں نے دو روز قبل ختم صحیح بخاری شریف کی تقریب کے لئے ہزار روپے بھی بھجوائے اور دعا کے لئے بھی درخواست کی تھی۔

پروفیسر عطاء اللہ اعوان صاحب کا خاندان ساہیوال ضلع سرگودھا میں آباد رہا، آپ کے دادا نظام الدین کو سر رحیم بخش کے توسط سے ریاست کی طرف سے بارہ مربع زمین ملی تو وہ چنی گوٹھ آ گیا۔ بعد میں وہ مرزا غلام احمد قادیانی کا مرید بن کر مرتد ہو گیا۔ اس کا خاندان قادیانیت کی تاریک گھاٹی میں بھٹک کر رہ گیا۔ اسی نظام الدین کے بیٹے رحیم بخش کے گھر چنی گوٹھ میں چھ ستمبر 1935ء کو پروفیسر عطاء اللہ اعوان صاحب پیدا ہوئے۔

آپ نے پرائمری تک مہند شریف پڑھا، مڈل کا امتحان چنی گوٹھ سے پاس کیا اور پھر صادق عباس ہائی سکول احمد پور شرقیہ میں نویں کلاس میں دخلہ لے لیا۔ اسی دوران علماء کرام کی تقاریر بالخصوص حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی ولولہ انگیز تقریر سننے کا انہیں موقع ملا تو انہیں اپنی قادیانیت کی فریب کاری کا احساس ہونے لگا۔ تعلیم کے دوران ان کے ہم سبق بھی آپس میں کہتے تھے کہ ’’یہ لڑکا قادیانی ہے‘‘ جس سے انہیں احساس ہوتا تھا کہ قادیانیت کوئی قابلِ نفرت چیز ہے، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ انہیں قادیانیت کے بطلان اور اسلام کی حقانیت کا یقین ہوتا چلا گیا۔ اور پھر 27 اپریل 1951ء کو حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ کے خلیفہ مجاز مولانا مفتی واحد بخش صاحب نور اللہ مرقدہ کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے اور قادیانیت کے دجل وفریب سے نکل کر اسلام کی ابدی روشنی اور کامیابی سے وابستگی اختیار کر لی، خاندانی دولت اور عیش وعشرت کو لات ماری، والدین اور رشتہ داروں سے قطع تعلق کر کے امام الانبیاء ﷺ کی رفاقت کو ہمیشہ کے لئے پسند کر لیا۔ آپ کے قبول اسلام کی خبر اخبارات نے جلی سرخیوں میں شائع کی۔ اسی سال لاہور میں یوم تشکر بھی منایا گیا، اسی یوم تشکر کے موقع پر آپ کا احرار کے سرکردہ رہنماؤں کے سامنے تعارف کرایا گیا۔

حضرت امیر شریعت کا واقعہ پروفیسر صاحب نے خود سنایا کہ:

> ’’حضرت امیر شریعت موانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے کھانے کے وقت مجھے اپنے ساتھ بٹھایا اور ایک ہڈی والی بوٹی میرے منہ میں ٹھونس دی، بوٹی قدرے گرم تھی، وہ میرے منہ سے گر کر میری شلوار پر آ رہی۔ شاہ جی ہنسے اور مجھے کھانا جاری رکھنے کا حکم دیا۔ کھانے سے فارغ ہوئے تو شاہ جی نے پانی کا لوٹا خود اٹھایا اور صابن کے ساتھ میری شلوار دھلوانے لگے، پانی خود ڈالتے جاتے اور میں شلوار ملتا جاتا۔‘‘

حضرت امیر شریعتؒ کے ساتھ آپ کا گہرا رابطہ رہا اور حضرت امیر شریعت کے ساتھ ان کی محبت کا یہ عالم تھا کہ آپ نے خود مجھے بتایا کہ میں نے اپنے بیٹوں کے نام حضرت امیر شریعت کے ناموں پر رکھے ہیں، عطاء المحسن، عطاء المنعم، عطاء المؤمن اور چونکہ میرا چوتھا بیٹا ہوا نہیں اس لئے اپنے پوتے کا نام عطاء المہیمن رکھا۔

حضرت امیر شریعتؒ کا ایک واقعہ یہ بھی سنایا کہ ایک مرتبہ حضرت امیر شریعتؒ کے ہمراہ کے گھر ناشتہ تھا۔

میزبان نے آم تناول فرمانے کا کہا تو شاہ جی نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ نے میرے جسم میں چینی کا ڈپو کھول دیا ہے اس لئے مجھے میٹھا کھانے کی ضرورت نہیں'' (حضرت کو شوگر ہوگئی تھی)۔

ایک ملاقات میں علامہ محمد عبداللہ صاحب احمد پوریؒ کا ذکر چھڑا تو فرمایا:

''وہ میرے استاذ ہیں اور میرے بہت بڑے محسن ہیں، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کی بھرپور توجہ اور اخراجات سے میں نے میٹرک کرلی تو مجلس ختم نبوت والوں نے دینی تعلیم کے لئے علامہ عبداللہ صاحب کے حوالہ کر دیا، علامہ صاحب مجھے اور چند اور ساتھیوں کو تہجد کے بعد سے لیکر صبح کی نماز تک پڑھایا کرتے تھے۔ اور ایک ہی سال میں صرف نحو سے لے کر درجہ رابعہ تک کا چار سالہ کورس پڑھا دیا اور امتحان دلوا دیا پھر بعد میں علامہ عبداللہ صاحب ہی مجھے مولانا محمد صادق بہاولپوریؒ کے پاس لائے اور ان کی سفارش پر مجھے ملازمت ملی۔''

پروفیسر صاحب نے ملازمت کے دوران بھی اپنی تعلیم جاری رکھی اور ایم اے اردو میں چوتھی پوزیشن لے کر کامیاب ہوئے۔ 23 سال تک ایس، ای کالج بہاولپور میں تدریس کے فرائض سرانجام دیتے رہے اور بہت سی نامور شخصیات مثلاً میاں بلیغ الرحمٰن وغیرہ آپ کے سرفہرست شاگردوں میں شامل ہیں۔

راقم کے پوچھنے پر ایک مرتبہ فرمایا کہ:

''میں نے حضرت مولانا سید حسین مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو بیعت کے لئے خط لکھا تو حضرت مدنیؒ نے مجھے غائبانہ بیعت فرمالیا اور وظائف بھی بتائے۔ میں اب تک وہ وظائف اہتمام کے ساتھ پورے کرتا ہوں، رات کو صبح کی نماز سے کئی گھنٹے پہلے جاگ جاتا ہوں، نوافل ادا کرتا ہوں، تلاوت کرتا ہوں، ذکر کرتا ہوں اور جامع مسجد ختم نبوت میں جا کر خود صبح کی اذان دیتا ہوں''۔

پروفیسر صاحب بہت اچھے مضمون نگار، خاکہ نگار، ترجمہ نگار اور محقق و نقاد تھے۔ آپ کی کتب ''ندیمانِ جمال'' ان کی قلمی کاوشوں کا خوبصورت مظہر ہے، آپ کو اللہ تعالیٰ نے دولت وثروت اور مسرتوں سے نواز رکھا تھا، بڑا وسیع اور خوبصورت گھر بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو دیا، اولاد تعلیم یافتہ اور برسرِ روزگار ہے۔ معاشرہ میں بھرپور عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ پانچ مرتبہ حج بیت اللہ اور روضہ رسول کی زیارت نصیب ہوئی اور متعدد بار عمرہ ادا کیا۔ بزرگوار محترم پروفیسر خالد شبیر احمد صاحب درست فرماتے ہیں کہ ''اللہ تعالیٰ نے انہیں اسلام پر استقامت کے بدلے کی ایک جھلک دنیا میں ہی دکھا دی ہے''۔ تاہم پروفیسر صاحب مرحوم قادیانیت کو رد کر کے اسلام سے وابستہ ہونے کو ہی سب سے بڑی دولت سمجھا کرتے تھے اور یقیناً اسلام سے بڑھ کر کوئی چیز قیمتی ہو ہی نہیں سکتی۔

استاذ محترم حضرت مولانا مفتی عطاء الرحمٰن صاحب مدظلہ نے پروفیسر صاحب کی وصیت کے مطابق نماز جنازہ پڑھائی اور بڑی تعداد میں شرکاء نے آنحضرت ﷺ کے اس عاشق زار کی نماز جنازہ ادا کی۔ میں سوچتا رہ گیا کہ چند مربع زمین کو ٹھکرا کر یہ شخص کتنی بڑی دولت کا مالک بن گیا۔ اگر خدانخواستہ زمین کی لالچ میں یہ قادیانیت پر ہی رہتے تو زندگی نے تو آج پھر بھی اختتام کو ہی پہنچ جانا تھا لیکن ہمیشہ کی ناکامی کتنے بڑے خسارہ کا سودا ہوتا۔ کاش! چند روزہ عیش پر مر مٹنے والے موت کو دیدۂ عبرت سے دیکھ لیں اور قرآن مجید کی یہ آیت سامنے رہے۔ ربما یود الذین کفروا لو کانوا مسلمین.

آج پروفیسر صاحب کے چہرے پر سکون اور مسرت محسوس کی تو بے ساختہ زبان سے نکلا ’’فزتَ وربّ الکعبۃ‘‘، رب کعبہ کی قسم آپ کامیاب ہوگئے۔

● ● ●

مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی رحمۃ اللہ علیہ　　　　(آخری قسط)

اختلافاتِ اُمت اور اُن کا حل، وحدت امت

نقیب ختم نبوت مارچ اور اپریل ۲۰۱۶ء کے شماروں میں مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے خطاب کی دو قسطیں قارئین مطالعہ فرما چکے ہیں۔ ۱۹۶۰ء کی دہائی میں مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف رحمہ اللہ کی دعوت پر جامعہ تعلیمات اسلامیہ فیصل آباد میں حضرت مفتی صاحب نے یہ خطاب فرمایا جسے حکیم صاحب مرحوم نے اپنے جریدہ ہفت روزہ ’’المنبر‘‘ میں شائع کیا۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ نے ’’اختلافاتِ اُمت اور اُن کا حل‘‘ کے عنوان سے ’’تقریب ہمدرد‘‘ لاہور، ۳؍ اکتوبر ۱۹۶۲ء کو ایک اور تقریر فرمائی جو فی الحقیقت ’’وحدتِ اُمت‘‘ کے تتمہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس مناسبت سے اس تقریر کو بھی ’’وحدتِ اُمت‘‘ کے خطاب کے ساتھ تیسری و آخری قسط کے طور پر شائع کیا جارہا ہے۔

شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب قدس اللہ سرہٗ مالٹا کی چار سالہ جیل سے رہائی کے بعد دارالعلوم دیوبند میں تشریف لائے تو علماء کے ایک مجمع کے سامنے آپ نے ایک اہم بات ارشاد فرمائی۔

جو لوگ حضرت رحمہ اللہ سے واقف ہیں، وہ اُس سے بھی بے خبر نہیں ہیں کہ ان کی یہ قید و بند عام سیاسی لیڈروں کی قید نہ تھی۔ جنگِ آزادی میں اس درویش کی ساری تحریکات صرف رضائے حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے لیے اُمت کی صلاح وفلاح

کے گرد گھومتی تھیں۔ مسافرت اور انتہائی بے کسی کے عالم میں گرفتاری کے وقت جملہ جو اُن کی زبانِ مبارک پر آیا تھا' ان کے عزم اور مقاصد کا پتا دیتا ہے۔ فرمایا: ''الحمدللہ بمصیبتے گرفتارم نہ بمعصیتے''۔

جیل کی تنہائی میں ایک روز بہت مغموم دیکھ کر بعض رفقاء نے کچھ تسلی کے الفاظ کہنا چاہے تو فرمایا: ''اس تکلیف کا کیا غم ہے جو ایک دن ختم ہو جانے والی ہے' غم اس کا ہے کہ یہ تکلیف و محنت اللہ تعالیٰ کے نزدیک قبول ہے یا نہیں''۔

مالٹا کی قید سے واپس آنے کے بعد ایک رات بعد عشاء دارالعلوم میں تشریف فرما تھے۔ علماء کا بڑا مجمع سامنے تھا۔ اس وقت فرمایا کہ ''ہم نے تو مالٹا کی زندگی میں دو سبق سیکھے ہیں''۔ یہ الفاظ سن کر سارا مجمع ہمہ تن گوش ہو گیا کہ اس استاذ العلماء درویش نے اسّی سال علماء کو درس دینے کے بعد آخر عمر میں جو سبق سیکھے ہیں وہ کیا ہیں۔ فرمایا کہ:

> ''میں نے جہاں تک جیل کی تنہائیوں میں اس پر غور کیا کہ پوری دنیا میں مسلمان دینی اور دُنیوی ہر حیثیت سے کیوں تباہ ہو رہے ہیں تو اس کے دو سبب معلوم ہوئے۔ ایک ان کا قرآن کو چھوڑ دینا' دوسرے ان کے آپس کے اختلافات اور خانہ جنگی۔ اس لیے میں وہیں سے یہ عزم لے کر آیا ہوں کہ اپنی باقی زندگی اس کام میں صرف کروں کہ قرآن کریم کو لفظاً و معناً عام کیا جائے' بچوں کے لیے لفظی تعلیم کے مکاتب ہر بستی میں قائم کیے جائیں' بڑوں کو عوامی درسِ قرآن کی صورت میں اس کے معانی سے روشناس کرایا جائے اور قرآنی تعلیمات پر عمل کے لیے آمادہ کیا جائے' اور مسلمانوں کے باہمی جنگ و جدال کو کسی قیمت پر برداشت نہ کیا جائے''۔

نباضِ اُمت نے ملت مرحومہ کے مرض کی جو تشخیص اور تجویز فرمائی تھی' باقی ایامِ زندگی میں ضعف و علالت اور ہجوم مشاغل کے باوجود اس کے لیے سعیٔ پیہم فرمائی۔ بذاتِ خود درسِ قرآن شروع کرایا' جس میں تمام علمائے شہر اور حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ جیسے علماء بھی شریک ہوتے تھے اور عوام بھی۔ اس ناکارہ کو اس درس میں شرکت کا شرف حاصل رہا ہے۔ مگر اس واقعے کے بعد حضرتؒ کی عمر ہی گنتی کے چند ایام تھے۔ ع
آں قدح بہ شکست و آں ساقی نماند

آج بھی مسلمان جن بلاؤں میں مبتلا اور جن حوادث و آفات سے دوچار ہیں' اگر بصیرت سے کام لیا جائے تو ان کے سب سے بڑے سبب یہی دو ثابت ہوں گے' قرآن کو چھوڑنا اور آپس میں لڑنا۔ غور کیا جائے تو یہ آپس کی لڑائی بھی قرآن کو چھوڑنے ہی کا لازمی نتیجہ ہے۔ قرآن پر کسی درجے میں بھی عمل ہوتا تو خانہ جنگی یہاں تک نہ پہنچتی۔

اختلافِ رائے کے حدود

اختلافِ رائے کچھ مذموم نہیں' اگر اپنی حدود کے اندر ہو۔ انسان کی فطرت میں اس کے پیدا کرنے والے نے عین

حکمت کے مطابق ایک مادہ غصہ اور مدافعت کا بھی رکھا ہے اور وہ انسان کی بقاء وارتقاء کے لیے ضروری ہے' مگر یہ مادہ دشمن کی مدافعت کے لیے رکھا ہے۔ اگر اس کا رُخ دوسری طرف ہو جائے' خواہ اس کے لیے دشمن کو پہچاننے اور متعین کرنے میں غلطی ہوگئی ہو یا کسی دوسری وجہ سے' بہرحال جب دشمن کا رُخ بدلے گا تو یہ خود اپنی تباہی کا ذریعہ بنے گا۔ اسی لیے قرآن کریم نے مؤمن کے لیے پوری وضاحت کے ساتھ اس کا رُخ متعین فرمادیا ہے: ﴿اِنَّ الشَّیۡطٰنَ لَکُمۡ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوۡہُ عَدُوًّا ؕ﴾(فاطر:٦) ''یقیناً شیطان تمہارا دشمن ہے' اس کو ہمیشہ دشمن سمجھتے رہو''۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ مؤمن کے غصے اور لڑائی کا مصرفِ صحیح صرف شیطان اور شیطانی طاقتیں ہیں۔ جب اس کی جنگ کا رُخ اس طرف ہوتا ہے تو وہ جنگ قرآن کی اصطلاح میں جہاد کہلاتی ہے جو اعظم عبادات میں سے ہے۔ حدیث میں فرمایا ہے: ((ذِرْوَۃُ سَنَامِہِ الْجِھَادُ)) یعنی ''اسلام میں سب سے اعلیٰ کام جہاد ہے''۔ لیکن اگر اس جنگ کا رُخ ذرا اس طرف سے ہٹا تو یہ جہاد کے بجائے فساد کہلاتی ہے' جس سے بچانے کے لیے اللہ اور رسول اور کتابیں آئی ہیں۔ شکل وصورت کے اعتبار سے جہاد اور فساد میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ وہ کانٹا' جہاں سے یہ لائنیں بدلتی ہیں صرف یہ ہے کہ اس کا رُخ شیطان اور شیطانی طاقتوں کی طرف ہے تو جہاد ہے ورنہ فساد۔ دوقومی نظریہ' جس نے پاکستان بنوایا' اسی اجمال کی عملی تفصیل تھی کہ کلمۂ اسلام کے ماننے والے ایک متحد قوم ہیں اور نہ ماننے والے دوسری قوم۔ ان کے جہاد کا رُخ اس طرف ہونا چاہیے۔

حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ نے جہاد کے فرض ہونے کی ایک حکمت یہ بھی بیان فرمائی کہ قہر وغضب اور مدافعت کا مادہ' جو انسانی فطرت میں ودیعت کیا گیا ہے' جب جہاد کے ذریعے اپنا صحیح مصرف پالیتا ہے تو آپس کی خانہ جنگی اور فساد سے خود بخود نجات ہو جاتی ہے' ورنہ اس کی مثال ایسی ہوتی ہے کہ جس چھت پر بارش کا پانی نکلنے کا راستہ پرنالوں کے ذریعے نہ بنایا جائے تو پھر یہ پانی چھت کو توڑ کر اندر آتا ہے۔

صلح اور جنگ کس سے؟

آج اگر غور کیا جائے تو پورے عالم اسلام پر یہی مثال صادق آتی ہے۔ شیطان اور شیطانی تعلیم' کفر والحاد' خدا اور رسول سے بغاوت اور فحاشی وعیاشی سے طبیعتیں مانوس ہو رہی ہیں۔ ان کی نفرت دلوں سے نکل چکی ہے' اس پر کسی کو غصہ نہیں آتا۔ انسانی رواداری' اخلاق' مروّت کا سارا زور کفر والحاد اور ظلم کی حمایت میں صرف ہوتا ہے۔ نفرت' بغاوت اور عداوت کا میدان خود اپنے اعضاء وجوارح کی طرف ہے۔ آپس میں ذرا ذرا سی بات پر جھگڑا لڑائی ہے' چھوٹا سا نقطۂ اختلاف ہو تو اس کو بڑھا کر پہاڑ بنا دیا جاتا ہے۔ اخبارات ورسائل کی غذا یہی بن کر رہ گئی ہے۔ دونوں طرف سے اپنی پوری توانائی اس طرح صرف کی جاتی ہے کہ گویا جہاد ہو رہا ہے۔ دو متحارب طاقتیں لڑ رہی ہیں اور کوئی خدا کا بندہ اپنی طرف نظر کر کے نہیں دیکھتا کہ ع

''ظالم جو بہہ رہا ہے وہ تیرا ہی گھر نہ ہو!''

سیاستِ ممالک سے لے کر خاندانی اور گھریلو معاملات تک سب میں اسی کا مظاہرہ ہے۔ جہاں دیکھو ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ﴾ کا سبق پڑھنے والے آپس میں گتھم گتھا ہیں۔ قرآنِ حکیم نے جہاں عفوودرگزر اور حلم وبردباری کی تلقین کی تھی، وہاں جنگ ہورہی ہے اور جس محاذ پر جہاد کی دعوت دی تھی وہ محاذ دشمنوں کی یلغار کے لیے خالی پڑا ہے۔ فالی اللّٰہ المشتکی و انا للّٰہ و انا الیہ راجعون۔

اسمبلیوں، کونسلوں، میونسپل بورڈوں کی نشست، حکومت کے عہدوں اور ملازمتوں کی دوڑ، صنعت وتجارت میں مقابلہ اور کمپی ٹیشن، جائیدادوں اور زمینداروں کی کشمکش جہاں خالص اپنے حقوق کی جنگ ہے، جس کو چھوڑ بیٹھنا سب کے نزدیک ایثار اور اعلیٰ اخلاق کا ثبوت ہے، وہاں کوئی ایک انچ اپنی جگہ سے سرکنے کو تیار نہیں۔ دین ومذہب کے نام پر کام کرنے والوں کی اول تو تعداد ہی کم ہے اور جو ہے وہ عموماً قرآن وسنت کی بنیادی تعلیمات سے اغماض کرکے جزوی اور فروعی مسائل میں الجھ کر رہ گئی ہے۔ چھوٹے سے چھوٹا مسئلہ معرکۂ جدال بنا ہوا ہے، جس کے پیچھے غیبت، جھوٹ، ایذائے مسلم، افتراء و بہتان اور تمسخر واستہزاء جیسے متفق علیہ کبیرہ گناہوں کی بھی پرواہ نہیں کی جاتی۔ دین کے نام پر خدا کے گھروں میں جدال وقتال اور لڑائیاں ہیں۔ نوبت پولیس اور عدالتوں تک پہنچی ہوئی ہے۔

ان دین داروں کو خدا اور رسول پر استہزاء کرنے والوں، شراب پینے والوں، سود اور رشوت کھانے والوں سے وہ نفرت نہیں جو اِن مسائل میں اختلاف رکھنے والوں سے ہے۔ کوئی خدا کا بندہ اس پر نظر نہیں کرتا کہ اس مثبت ومنفی دونوں پہلوؤں میں کوئی بھی کسی کے نزدیک ایسا نہیں جس کے لیے مسلمانوں سے جنگ کرنا جائز ہو، جس کے لیے دوسروں کی غیبت و بہتان، تذلیل وتحقیر روا ہو۔

اصلاحِ حال کی ایک غلط کوشش

ہمارے نوتعلیم یافتہ روشن خیال مصلحین کی توجہ جب اس باہمی اختلاف کے مہلک نتائج کی طرف جاتی ہے اور اس کے علاج کی فکر ہوتی ہے، تو ان کے خیال میں ساری خرابیاں صرف ان اختلافات میں نظر آتی ہیں جو دین ومذہب کے نام پر سامنے آتے ہیں اور وہ صرف اسی اختلاف کو مٹانے کے لیے علاج سوچتے ہیں۔ وہ اس وقت ان سب لڑائیوں کو بھول جاتے ہیں جو خالص نفسانی اور ذاتی غرض کے لیے لڑی جارہی ہیں، جن کے لیے ایک دوسرے کی جان، آبرو اور مال سب کچھ حلال سمجھ لیا جاتا ہے، جس کے پیچھے پورے ملک میں باہمی منافرت کے سیلاب اُمنڈتے ہیں۔ مگر ان کو چونکہ نئی تہذیب وشرافت کا نام دے دیا ہے، اس لیے نہ وہ قوم کے لیے کوئی مرض رہا اور نہ اس کا علاج سوچنے کی ضرورت رہی۔ اختلاف ولڑائی میں صرف ملا بدنام ہے۔ اسی کا علاج زیرِغور ہے۔ حالانکہ دین ومذہب کے نام پر جو اختلافات ہیں، اگر غور

کیا جائے تو ان کی خرابی صرف حدود سے تجاوز کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے، ورنہ وہ کوئی برادری کا نوٹہ نہیں بن سکتے۔ وہ اپنے ذاتی حقوق نہیں جنہیں ایثار کیا جاسکے، بلکہ قرآن وسنت کی تعبیر کے اختلافات ہیں جن کو ختم نہیں کیا جاسکتا۔

ہمارے بعض روشن خیال مصلحین نے سارا فساد انہی اختلافات میں منحصر سمجھ کر اس کا یہ علاج تجویز کیا کہ فرقہ وارانہ اختلافات کو ہٹا کر سب کا ایک نیا اور مشترک مذہب بنالیا جائے۔ پوری قوم کا وہی ایک مذہب ہو، تاکہ اختلاف کی بنیاد ہی ختم ہو جائے۔ مگر یہ بات مذہبی مسائل میں عقلاً صحیح ہے نہ عملاً ممکن۔ ہاں خالص دُنیوی معاملات میں جن میں جھگڑا ذاتی حقوق ہی کا ہو، وہاں اپنے مطالبات کو نظر انداز کر کے ایسی صلح کی جاسکتی ہے، اس لیے باہمی جنگ وجدل کا علاج یہ نہیں کہ اختلافِ رائے کو مٹا کر سب کو ایک نظریے کا پابند کر دیا جائے۔

اختلافِ رائے اور جھگڑے فساد میں فرق

اہل عقل وبصیرت پر مخفی نہیں کہ دینی اور دُنیوی دونوں قسم کے معاملات میں بہت سے مسائل ایسے آتے ہیں جن میں رائیں مختلف ہوسکتی ہیں۔ ان میں اختلاف کرنا عقل ودیانت کا عین مقتضیٰ ہوتا ہے۔ ان میں اتفاق صرف دوصورتوں سے ہوسکتا ہے، یا تو مجمع میں کوئی اہل بصیرت اور اہل رائے نہ ہو۔ ایک نے کچھ کہہ دیا سب نے مان لیا اور یا پھر جان بوجھ کر کسی کی رعایت اور مروّت سے اپنے ضمیر اور اپنی رائے کے خلاف دوسرے کی بات پر صاد کر دیا۔ ورنہ اگر عقل ودیانت دونوں موجود ہوں تو رائے کا اختلاف ضروری ہے، اور یہ اختلاف کبھی کسی حال پر مضر بھی نہیں ہوتا، بلکہ دوسروں کے لیے بصیرت کا سامان مہیا کرتا ہے۔ اسمبلیوں میں حزبِ اختلاف کو اسی بنیاد پر ضروری سمجھا جاتا ہے۔

قرآن وسنت کے مجملات اور مبہمات کی تشریح وتعبیر میں اسی طرح کے اختلافات کو ''رحمت'' کہا گیا ہے، جو اسلام کے عہد اوّل سے صحابہ وتابعین اور پھر ائمہ مجتہدین میں چلے آئے ہیں۔ ان مسائل میں جو اختلافات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں پیش آچکے ہیں، ان کو مٹانے کے معنی اس کے سوا نہیں ہوسکتے کہ صحابہ کرامؓ کی کسی ایک جماعت کو باطل پر قرار دیا جائے، جو نصوصِ حدیث اور ارشاداتِ قرآنی کے بالکل خلاف ہے۔ اسی لیے حافظ شمس الدین ذہبیؒ نے فرمایا ہے کہ جس مسئلے میں صحابہ کرامؓ کے درمیان اختلاف ہو چکا ہے، اس کو بالکل ختم کر دینا ممکن نہیں۔

صحابہؓ اور ائمہ مجتہدینؒ کا طرزِ عمل

اسی کے ساتھ صحابہ وتابعین اور ائمہ مجتہدین کے دور کی وہ تاریخ بھی سامنے رکھنا ضروری ہے کہ تعبیر کتاب وسنت کے ماتحت جو ان میں اختلافِ رائے پیش آیا ہے، اس پوری تاریخ میں ایک واقعہ بھی ایسا نہیں کہ اس نے جنگ وجدال کی صورت اختیار کی ہو۔ باہمی اختلافِ مسائل کے باوجود ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھنا اور تمام برادرانہ تعلقات قائم رہنا اس پوری تاریخ کا اعلیٰ شاہکار رہے۔ سیاسی مسائل میں ''مشاجراتِ صحابہؓ کا فتنہ'' تکوینی حکمتوں کے ماتحت پیش آیا، آپس

میں تلواریں بھی چل گئیں، مگر عین اسی فتنہ کی ابتدا میں جب امام مظلوم حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ باغیوں کے نرغے میں محصور تھے اور یہی باغی نمازوں میں امامت کراتے تھے، تو امامِ مظلوم نے مسلمانوں کو ان کی اقتدا میں نماز پڑھنے کی ہدایت فرمائی اور عام ضابطہ یہ بتادیا کہ **اذا ھم احسنوا فاحسن معھم و ان ھم اساء وا فاجتنب اساء تھم** یعنی ''جب وہ لوگ کوئی نیک کام کریں اس میں ان کے ساتھ تعاون کرو، اور جب کوئی برا کام اور غلط کام کریں تو اس سے اجتناب کرو''۔ اس ہدایت کے ذریعے اپنی جان پر کھیل کر مسلمانوں کو قرآنی ارشاد: ﴿**تَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ**﴾ کی صحیح تفسیر بتادی اور باہمی انتشار وافتراق کا دروازہ بند کردیا۔

اور اسی فتنے کے آخر میں جب کہ حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان میدانِ جنگ گرم تھا، روم کی عیسائی سلطنت کی طرف سے موقع پا کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ ملانے اور ان کی مدد کرنے کا پیغام ملا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا جواب یہ تھا کہ: ''ہمارے اختلاف سے دھوکہ نہ کھاؤ۔ اگر تم نے مسلمانوں کی طرف رُخ کیا تو علیؓ کے لشکر کا پہلا سپاہی، جو تمہارے مقابلے کے لیے نکلے گا، وہ معاویہ ہوگا''۔ معلوم یہ ہوا کہ باہمی اختلاف جو منافقین کی گہری سازشوں سے تشدد کا رُخ اختیار کر چکا ہے، اس میں بھی اسلام کے بنیادی حقائق کسی کی نظر سے اوجھل نہیں ہوئے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ تعبیر کتاب وسنت کے ماتحت اختلافِ رائے جو صحابہؓ، تابعینؒ اور ائمہ مجتہدینؒ میں رہا ہے تو وہ بلاشبہ رحمت ہی ہے۔ اس کا کوئی پہلو نہ پہلے مسلمانوں کے لیے مضر ثابت ہوا اور نہ آج ہوسکتا ہے، بشرطیکہ وہ انہی حدود کے اندر رہے جن میں ان حضرات نے رکھا تھا کہ ان کا اثر نماز، جماعت، امامت اور معاشرت کے کسی معاملے پر نہ پڑتا تھا۔

جدال اور اصلاح

مذہب کے نام پر دوسرے اختلافات قرونِ اولیٰ کے بعد بدعت وسنت اور دوسرے عنوانات سے پیدا ہوئے۔ بہت سے لوگوں نے قرآن وسنت کی تعبیر میں اصولِ صحیحہ کو چھوڑ کر ذاتی آراء کو امام بنالیا اور نئے نئے مسائل پیدا کردیے۔ یہ اختلافات بلاشبہ وہ تفریق وافتراق تھے جن سے قرآن وسنت میں مسلمانوں کو ڈرایا گیا ہے۔ ان کو ختم یا کم کرنے کی کوشش بلاشبہ مفید تھی، مگر قرآن حکیم نے اس کا بھی ایک خاص طریقہ بتادیا ہے جس کے ذریعے تفریق کی خلیج کم ہوتی چلی جائے، بڑھنے نہ پائے۔ یہ وہ اصولِ دعوت الی الخیر ہیں جن میں سب سے پہلے حکمت وتدبیر سے اور پھر خیر خواہی وہمدردی اور نرم عنوان سے لوگوں کو قرآن وسنت کے صحیح مفہوم کی طرف بلانا ہے اور آخر میں **مجادلہ بالتی ھی احسن** یعنی حجت ودلیل کے ساتھ افہام وتفہیم کی کوشش ہے۔

افسوس ہے کہ آج کل عام اہل علم اور مصلحین نے ان اصول کو نظر انداز کردیا۔ صرف جدال میں اور وہ بھی غیر مشروط انداز سے، مشغول ہوگئے کہ اپنے حریف کا استہزاء وتمسخر، اس کو زیر کرنے کے لیے جھوٹے، سچے، ناجائز اور جائز ہر طرح کے

حربے استعمال کرنا اختیار کر لیا‘ جس کا لازمی نتیجہ جنگ وجدال اور جھگڑا وفساد تھا۔

اختلافات کی خرابیوں کا وقتی علاج

آج جب کہ مسلمانوں کا تفرق انتہا کو پہنچا ہوا ہے‘ اپنی مزعومات کے خلاف کوئی کسی کی بات ماننے‘ بلکہ سننے کے لیے بھی تیار نہیں اور کوئی ایسی قوت نہیں کہ کسی فریق کو مجبور کر سکے‘ تو اس باہمی جنگ وجدال اور اس کے مہلک اثرات سے اسلام اور مسلمانوں کو بچانے کا صرف ایک راستہ ہے کہ فرقوں اور جماعتوں کے ذمہ دار ذرا اس پر غور کریں کہ جن مسائل میں ہم جھگڑ رہے ہیں‘ کیا وہی اسلام کے بنیادی مسائل ہیں جن کے لیے قرآن نازل ہوا‘ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے‘ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی اُن کے لیے وقف کر دی‘ اور ان کے پیچھے ہر طرح کی قربانیاں دیں؟ یا بنیادی مسائل اور قرآن واسلام کا اصلی مطالبہ کچھ اور ہے؟

جس ملک میں ایک طرف عیسائی مشنریاں پوری قوت اور چمک دمک کے ساتھ اس کو عیسائی ملک بنانے کے خواب دیکھ رہی ہیں‘ ایک طرف کھلے بندوں خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی تعلیمات کا مذاق اڑایا جاتا ہے‘ ایک طرف قرآن اور اسلام کے نام پر وہ سب کچھ کیا جا رہا ہے جس کو دنیا سے مٹانے ہی کے لیے قرآن اور اسلام آئے تھے‘ اس جگہ صرف فروعی مسائل اور ان کی تحقیق وتنقید وترویج کی کوششوں میں الجھ کر ان بنیادی مہمات سے غفلت برتنے والوں سے اگر اللہ تعالیٰ ورسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ مطالبہ ہو کہ ہمارے دین پر یہ افتادیں پڑ رہی تھیں‘ تم نے اس کے لیے کیا کیا؟ تو ہمارا کیا جواب ہوگا؟ مجھے یقین ہے کہ کوئی فرقہ اور کوئی جماعت جب ذرا اپنے جھگڑوں سے بلند ہو کر سوچے گی تو اس کو اپنی موجودہ مصروفیات پر ندامت ہوگی‘ اور اس کی کوشش کا رُخ بدلے گا۔ اس کے نتیجے میں باہمی آویزش یقیناً کم ہوگی۔

میں اس وقت کسی کو یہ نہیں کہتا کہ وہ اپنے خیالات ومزعومات کو بدلے۔ گزارش صرف اتنی ہے کہ اپنی توانائی صَرف کرنے کا محل تلاش کر کے اس پر لگا دیں اور باہمی اختلافات کو صرف حلقۂ درس یا فتویٰ یا تحقیقی رسائل تک محدود کر دیں‘ اور ان میں بھی لب ولہجہ قرآنی اصولِ دعوت کے مطابق نرم رکھیں۔ فقرے کسنے اور دوسرے کی توہین کرنے کو زہر سمجھیں۔ ہمارے پبلک جلسے‘ اخبار اور اشتہار بجائے باہمی آویزش کو ہوا دینے کے اسلام کے بنیادی اور متفق علیہ مسائل پر لگ جائیں تو پھر ہماری جنگ‘ جو فساد کی صورت اختیار کر چکی ہے‘ وہ دوبارہ جہاد میں تبدیل ہو جائے گی‘ اور اس کے نتیجے میں عوام کا رُخ بھی باہمی جنگ وجدل سے پھر کر دین کی صحیح خدمت کی طرف ہو جائے گا۔

صحیح اور غلط طرزِ عمل

بہت سے حضرات مسائل میں علماء کے اختلافات سے پریشان ہو کر پوچھا کرتے ہیں کہ ہم کدھر جائیں‘ جس کی تہہ

میں یہ پوشیدہ ہوتا ہے کہ اب ہم کسی کی نہ سنیں، سب سے آزاد ہو کر جو سمجھ میں آئے کیا کریں۔ اور بہ ظاہر ان کا یہ معصومانہ سوال حق بجانب نظر آتا ہے، لیکن ذرا غور فرمائیں تو ان کو اس کا جواب اپنے گرد و پیش کے معاملات میں خود ہی مل جائے گا۔ ایک صاحب بیمار ہوئے۔ ڈاکٹروں یا حکیموں کی آراء میں تشخیص و تجویز کے بارے میں اختلاف ہو گیا تو وہ کیا کرتے ہیں؟ یہی نا کہ وہ اُن ڈاکٹروں اور حکیموں کی ڈگریاں معلوم کر کے، یا پھر ان کے مطب میں علاج کرانے والے مریضوں سے یا دوسرے اہل تجربہ سے دریافت کر کے اپنے علاج کے لیے کسی ایک ڈاکٹر کو متعین کر لیتے ہیں۔ اسی کی تشخیص و تجویز پر عمل کرتے ہیں مگر دوسرے ڈاکٹروں اور حکیموں کو برا بھلا کہتے نہیں پھرتے۔ یہاں کسی کا یہ خیال نہیں ہوتا کہ معالجوں میں اختلاف ہے تو سب کو چھوڑو، اپنی آزاد رائے سے جو چاہو کرو۔ کیا یہی طرزِ عمل علماء کے اختلاف کے وقت نہیں کر سکتے؟

ایک مثال اور لیجیے! آپ کو ایک مقدمہ عدالت میں دائر کرنا ہے۔ قانون جاننے والے وکلاء سے مشورہ کیا۔ ان میں اختلافِ رائے ہوا تو کوئی آدمی یہ تجویز نہیں کرتا کہ مقدمہ دائر کرنا ہی چھوڑ دے، یا پھر کسی وکیل کی نہ سنے اور خود اپنی رائے سے جو سمجھ میں آئے وہ کرے۔ بلکہ ہوتا یہی ہے کہ مختلف طریقوں سے ہر شخص اتنی تحقیق کر لیتا ہے کہ ان میں کون سا وکیل اچھا جاننے والا اور قابلِ اعتماد ہے، اس کو اپنا وکیل بنا لیتا ہے، اور دوسرے وکیل کو باوجود اختلاف کے دشمن نہیں سمجھتا، برا بھلا نہیں کہتا، اس سے لڑتا نہیں پھرتا۔

یہی فطری اور سہل اصول اختلافِ علماء کے وقت کیوں اختیار نہیں کیا جاتا؟ یہاں ایک بات یہ بھی سن لی جائے کہ بیماری اور مقدمے کے معاملات میں تو آپ نے کسی غلط ڈاکٹر یا غیر معتمد وکیل پر اعتماد کر کے اپنا معاملہ اس کے حوالے کر دیا تو اس کا جو نقصان پہنچنا ہے وہ ضرور آپ کو پہنچے گا، مگر علماء کے اختلاف میں اس نقصان کا بھی خطرہ نہیں۔

حدیث میں ہے کہ کسی شخص نے اگر کسی عالم سے سوال کیا اور اس نے فتویٰ غلط دے دیا تو اس کا گناہ سوال کرنے والے پر نہیں، بلکہ فتویٰ دینے والے پر ہے۔ شرط یہ ہے کہ سوال اس شخص سے کیا گیا ہو جس کا عالم ہونا آپ نے ایسی ہی تحقیق و جستجو کے ذریعے معلوم کیا ہو جو اچھے معالج اور اچھے وکیل کی تلاش میں آپ کیا کرتے ہیں۔ اپنی مقدور بھر صحیح عالم کی تلاش و جستجو کر کے آپ نے ان کے قول پر عمل کر لیا تو آپ اللہ کے نزدیک بری ہو گئے۔ اگر اس نے غلط بھی بتا دیا ہے تو آپ پر اس کا کوئی نقصان یا الزام نہیں۔ ہاں یہ نہ ہونا چاہیے کہ ڈاکٹر کی تلاش میں تو اس کا ایم بی بی ایس ہونا بھی معلوم کریں، اور یہ بھی کہ اس کے مطب میں کس طرح کے مریض زیادہ شفایاب ہوتے ہیں، مگر عالم کی تلاش میں صرف عمامے کُرتے اور داڑھی کو یا زیادہ سے زیادہ جلسے میں کچھ بول لینے کو معیار بنا لیں۔ اگر آپ نے ایسا کیا تو آپ اپنی ذمہ داری سے بری نہیں۔ اس نے جواب میں کوئی غلطی کی تو آپ بھی اس کے مجرم قرار پائیں گے۔

باہمی جنگ و جدال کے دور کن

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ آج مذہب کے نام پر جو جنگ وجدال کا بازار گرم ہے اس کے دورکن ہیں۔ ایک ہر فرقہ اور جماعت کے علماء دوسرے وہ عوام جو اِن کے پیچھے چلنے والے ہیں۔ علماء اگر اپنی تحقیق وتنقید میں قرآنی اصولِ دعوت کے مطابق دوسرے کی تنقیص وتوہین سے پرہیز کرنے لگیں، اور اسلام کے وہ بنیادی مسائل جن میں کسی فرقے کو اختلاف نہیں اور اسلام اور مسلمانوں پر جو مصائب آج آرہے ہیں وہ سب انہی مسائل سے متعلق ہیں، اپنی کوششوں اور محنتوں کا رُخ اس طرف پھیر دیں، اسی طرح عوام اپنی مقدور بھر پوری کوشش کر کے کسی صحیح عالم کا انتخاب کریں اور پھر اس کے بتائے طریقے پر چلتے رہیں، دوسرے علماء یا ان کے ماننے والوں سے لڑتے نہ پھریں، تو بتایئے کہ ان میں اشکال کیا ہے؟ سارے فرقے اور ان کے اختلافات بدستور رہتے ہوئے بھی یہ باہمی جنگ وجدل ختم ہوسکتا ہے، جس نے آج مسلمانوں کو کسی کام کا نہیں چھوڑا۔ صرف ذرا سی توجہ دینے اور دلانے اور طرزِ عمل بدلنے کی ضرورت ہے۔ کاش میری یہ آواز اُن بزرگوں اور دوستوں تک پہنچے جو اِس راہ میں کچھ کام کر سکتے ہیں، اور محض اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر اس ہمدردانہ دعوت کے لیے کھڑے ہو جائیں تو اُمت کی بہت سی مشکلات حل ہو جائیں، اور ہمارا پورا معاشرہ جن مہلک خرابیوں کی غار میں جا چکا ہے ان سے نجات مل جائے۔

عام سیاسی اور شخصی جھگڑوں کا علاج

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ مذہبی معاملات میں جس شخص نے کوئی خاص رُخ اختیار کر رکھا ہے، وہ اسی کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم وتلقین سمجھ کر اختیار کیے ہوئے ہے، خواہ وہ حقیقت کے اعتبار سے بالکل غلط ہی ہو، مگر اس کا نظریہ کم از کم یہی ہے کہ وہ اللہ کا دین ہے۔ ان حالات میں اس کو ہمدردی اور نرمی سے اپنی جگہ افہام وتفہیم کی کوشش تو بجائے خود جاری رکھنا چاہیے، لیکن جب تک اس کا نظریہ نہ بدلے اس کو دعوت نہیں دی جاسکتی کہ تم ایثار کر کے اپنا نظریہ چھوڑ دو اور صلح کرلو۔ ان سے تو صرف یہ کہا جاسکتا ہے کہ اختلافِ رائے کو اپنی حدود کے اندر رکھیں اور افہام وتفہیم، قرآنی اصول وحکمت وموعظت اور **مجادلہ بالتی ھی احسن** کو نظر انداز نہ کریں۔ مگر جن معاملات کا تعلق صرف شخصی اور ذاتی حقوق اور خواہشات سے ہے، وہاں یہ معاملہ سہل ہے کہ جھگڑے سے بچنے کے لیے دوسرے کے لیے اپنی جگہ چھوڑ دے، اپنے حق سے دستبردار ہو جائے۔ اور جو شخص ایسا کرے دنیا میں بھی اس کی عزت کو چار چاند لگ جاتے ہیں اور جس مقصد کو چھوڑا ہے وہ بھی دوسرے راستے سے حاصل ہو جاتا ہے، اور آخرت میں تو اس کے لیے ایک عظیم بشارت ہے جس کا بدل پوری دنیا اور دنیا کی ساری حکومتیں اور ثروتیں بھی نہیں ہوسکتیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((**اَنَــا زَعِیْـمٌ بِبَیْـتٍ فِـیْ رَبَـضِ الْـجَـنَّةِ لِـمَـنْ تَرَکَ الْمِرَاءَ وَاِنْ کَانَ مُحِقًّا**)) [1] ''میں ضامن ہوں اُس شخص کو وسط جنت میں مکان دلانے کا جس نے حق پر ہونے کے باوجود جھگڑا چھوڑ دیا۔''

میں آخر میں پھر اپنے پہلے جملے کی طرف رجوع کرتا ہوں کہ ہماری ساری خرابیوں کی بنیاد قرآن کو چھوڑنا اور آپس میں لڑنا ہے اور یہ آپس کی لڑائی بھی درحقیقت قرآنی تعلیمات سے ناواقفیت یا غفلت ہی کا نتیجہ ہے۔ گروہی تعصّبات نے یہ حقائق نظروں سے اوجھل کر رکھے ہیں۔ دنیا میں صالحین کی اگرچہ قلت ضرور ہے مگر فقدان نہیں۔ افسوس ہے کہ ایسے مصلحین کا سخت قحط ہے جو گردوپیش کے چھوٹے چھوٹے دائروں سے ذرا سر نکال کر باہر دیکھیں اور اسلام اور قرآن ان کو کس طرف بلا رہے ہیں، ان کی صدا سنیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین کے راستے پر چلنے کی توفیق کامل عطا فرمادیں۔

اَللّٰهُمَّ وَفِّقْنَا لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ وَالْفِعْلِ وَالْعَمَلِ وَالنِّيَّةِ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ وَصَفْوَةِ رُسُلِهٖ مُحَمَّدٍ وَآلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ.

❁ ❁ ❁

مبصر: صبیح ہمدانی

● **نام کتاب: قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ (جدید ایڈیشن)　مؤلف: پروفیسر محمد الیاس برنی رحمۃ اللہ علیہ**

تصحیح و ترتیبِ جدید: عبدالرحمٰن باوا　ناشر: ختم نبوّت اکیڈمی، لندن　ضخامت: ۸۰۰ صفحات　قیمت: درج نہیں

ملتِ کاذبہ مرزائیہ کے نمودار ہونے سے لے کر آج تک علمائے اسلام نے اس موضوع پر جو تحریری خدمات سر انجام دی ہیں وہ حقانیتِ اسلام کی ایک مستقل دلیل ہیں۔ یعنی مسیلمۂ پنجاب اور اس کی امت کی جانب سے اٹھائے جانے والا کوئی ایک مغالطہ ایسا نہیں کہ علمائے اسلام نے اسے تشنۂ جواب رکھا ہو اور شافی جواب نہ دیا ہو۔ اس مبارک تحریری جدوجہد کے سلسلے کی ابتدائی کتابوں میں سے ایک مشہور اور متداول کتاب ”قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ“ ہے۔ جسے عثمانیہ یونیورسٹی، حیدرآباد دکن کے شعبہ معاشیات کے پروفیسر جناب الیاس برنی مرحوم و مغفور نے تالیف فرمایا۔

کتاب کو اپنے پہلے ایڈیشن سے ہی علمائے امت کی جانب سے بے تحاشا داد و پذیرائی حاصل ہوئی۔ کتاب کی قابلِ ذکر خصوصیت یہ ہے کہ یہ قادیانی گمراہی کے کسی ایک پہلو پر منحصر نہیں بلکہ اس امّتِ ضالّہ کے اعتقاد و عمل کے ہر ہر پہلو سے بحث کرتی ہے۔ اور یہ بحث خالص علمی اسلوب کی حامل ہے۔ چنانچہ کتاب میں مذکور ہر ایک قادیانی عقیدے اور داستان کو سیکڑوں کتابوں کے حوالوں سے ثابت کیا گیا ہے۔ اسی طرح اس کتاب کے مؤلف گرامی جدید تعلیم یافتہ ہونے

کی بنا پر نژادِ نو کے محاورے اور اسلوب سے اچھی طرح آگاہ ہیں۔ مزید برآں حسن ترتیب کا ملکہ انھیں حاصل ہے جس کی بدولت اپنی طرف سے زیادہ کچھ کہے بغیر محض قادیانی اقتباسات کو صحیح ترتیب اور عنوان لگا دینے سے ہی انھوں نے مدّعا کو غیر معمولی وضاحت کے ساتھ ثابت کیا ہے۔

زیرِ نظر طباعت ہمارے محترم اور بزرگ مجاہدِ ختمِ نبوّت جناب عبدالرحمٰن باوا مدظلہ کی تحقیق و تصحیح سے شائع ہوئی ہے۔ فاضل محقق نے کتاب کی خدمت میں بہت محنت کا مظاہرہ کیا ہے۔ کتاب خوبصورت کمپیوٹر کمپوزنگ، مضبوط جلد بندی، حوالوں کی جدید تخریج اور متنِ کتاب کی کمزوریوں کی تصحیح جیسی خوبیوں سے متصف ہونے کی وجہ سے مزید قیمتی ہوگئی ہے۔ پروف کی غلطیاں مقدار اور نوعیت کے اعتبار سے خاصی قلیل ہیں۔ البتہ فاضل محقق اگر مروّجہ اصولِ تحقیق متون (مثلاً محقق کے اضافوں کو حاشیے میں درج کرنا، مرتّب فہرست کتابیات جس میں سنین اور مقام اشاعت مذکور ہوں اور اشاریے کا اضافہ وغیرہ) کو ملحوظ رکھ لیتے تو نورٌ علیٰ نور کی کیفیت حاصل ہو جاتی۔ جیسا کہ ذکر ہوا، یہ کتاب تحفظ ختم نبوّت کے موضوع پر بڑی بڑی لائبریریوں سے بے نیاز کر دینے والی کتاب ہے۔ جو حضرت عبدالرحمٰن باوا مدظلہ کے اشراف و اعتناء کے بعد اس حالت میں اپنی سابقہ طباعتوں سے کہیں زیادہ سہل الاستفادہ اور دیدہ زیب ہو چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ جناب مؤلف مرحوم و مغفور اور جناب محقق کی اس کاوش کو قبول فرمالیں اور میزان حسنات میں مندرج فرمائیں۔

● **نام کتاب: اقوالِ محمود　　تالیف: اختر کاشمیری　　تدوین و اضافہ: محمد فاروق قریشی**

ناشر: مفتی محمود اکیڈمی، جمعیت سیکرٹریٹ، علامہ بنوری ٹاؤن۔ کراچی　　ضخامت: ۳۰۴ صفحات　قیمت: ۳۰۰ روپے۔

جمعیت علمائے اسلام پاکستان کے جلیل القدر رہنما حضرت مولانا مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ زمانہ قریب کی ایک عبقری شخصیت تھے۔ آں جناب جہاں ایک صائب الرائے مفکر اور ایک عزیمت گام مسلّمہ سیاسی رہنما تھے وہیں خالص علمی و درسی میدان میں بھی انتہائی بلند پایہ کے عالم دین اور مفتی تھے۔

۱۹۷۰ء کی دہائی پاکستان میں روس نواز سوشلسٹ نظریاتی سیاست کے عروج اور پھر زوال کی دہائی تھی۔ ہر طرف ایشیا سرخ ہے کہ نعرے تھے۔ یہاں کا دین مخالف طبقہ اپنی بد باطنی و بدنہادی کی اکلوتی پناہ گاہ کے طور پر سوشلزم کو پاکستان امپورٹ کرنے کی سر توڑ کوششوں میں لگا ہوا تھا۔ ایسے میں اللہ تعالیٰ نے جن خوش بخت رہنمایانِ قوم سے دین متین کی حفاظت کا کام لیا ان کے سرگروہوں میں حضرت مولانا مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ کا اسم گرامی شامل ہے۔

زیرِ نظر کتاب حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ کے ملفوظات وارشادات کا گراں قدر مجموعہ ہے جسے پہلی بار معروف صحافی جناب اختر کاشمیری نے ۱۹۷۴ء میں ترتیب دے کر شائع کیا اور اب ہمارے مکرّم جناب محمد فاروق قریشی صاحب نے اضافوں کے ساتھ مدوّن کر کے نشرِ مکرّر کیا۔ کتاب مختصر اقوال کا مجموعہ ہے جس میں اس ہنگامہ خیز دورِ سیاست کا رنگ نظر آتا ہے جس میں حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہ راہِ عزیمت پر گامزن تھے۔ لیکن یہ رنگ اس کتاب کا یا حضرت مفتی صاحب

مرحوم ومغفور کا اکلوتا رنگ نہیں، بلکہ اس کتاب میں ان کی ہمہ جہت شخصیت کے گوناگوں محاسن نظر آتے ہیں۔

البتہ جیسا کہ اہلِ علم جانتے ہیں حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ ایک عمیق النظر صاحب فتوی بھی تھے، لیکن یہ کتاب حضرت مفتی صاحب کی سیرت کے اس بھاری بھرکم پہلو کی رونمائی نہیں کراتی۔ اسی طرح حضرت ممدوح کی حیاتِ طیّبہ کا متصوّفانہ پہلو بھی اس کتاب کی گرفت میں نہیں آ سکا، جبکہ حضرت صاحبِ نسبت اہل حال میں سے تھے۔ پھر یہ کتاب مختصر اقوال کا مجموعہ ہے چنانچہ ایسے اقوال کی ضرورت محسوس ہوتی ہے جن میں چاہے کسی قدر طوالت ہو لیکن وہ زیر بحث نکات پر قدرے تفصیل سے حضرت مفتی صاحب کی آراء کا اظہار کرتے ہوں۔ دراصل معاملہ یہ ہے کہ جناب محمد فاروق قریشی نے اس کتاب کو بڑی محبت کے ساتھ اس قدر خوبی اور زمانے کے تقاضوں کے مطابق شائع کیا ہے کہ ان سطور کا راقم حضرت مفتی صاحب کی ذات بابرکات سے اپنی عقیدت کے اِن چند زاویوں پر بھی قریشی صاحب کی توجہ دلانا چاہتا ہے تا کہ وہ اپنے آئندہ منصوبوں میں ان پہلوؤں کو بھی سیراب کر کے ہم تشنگان کی دعائیں سمیٹ سکیں۔

ادارہ

مسافرانِ آخرت

☆ مجلس احرارِ اسلام ڈیرہ اسمٰعیل خان کے مخلص اور وفادار کارکن جناب غلام حسین احرار گزشتہ ماہ انتقال کر گئے۔ مرحوم انتہائی صالح انسان تھے۔ جانشین امیر شریعت حضرت مولانا سید ابومعاویہ ابوذر بخاری رحمتہ اللہ علیہ کی تقاریر سنیں، ان کی شخصیت اور فکر سے متاثر ہوئے اور پھر تادم واپسیں مجلس احرار اسلام سے وابستہ رہے۔ احرار کے ساتھ ان کی وابستگی مثالی تھی۔

☆ حافظ محمد سعید خواجہ گزشتہ ماہ امریکہ میں انتقال کر گئے۔ مرحوم، خواجہ اللہ بخش کے فرزند تھے اور خواجہ اللہ بخش مرحوم قیام پاکستان سے قبل امرتسر میں رہائش پذیر تھے جہاں حضرت امیر شریعت سے تعلق قائم ہوا جو عقیدت ومحبت کے سانچے میں ڈھل کر آخری سانس تک باقی رہا۔ قیام پاکستان کے بعد کراچی منتقل ہو گئے۔ آپ کے پانچ بیٹے تھے۔ تین انتقال کر گئے اور دو حیات ہیں۔ جناب خواجہ رفیق احمد صاحب اور جناب خواجہ عبدالوحید صاحب۔ جو اپنے مرحوم والد کے تعلق کو اب تک نبھا رہے ہیں۔ حق تعالیٰ ان کے والد مرحوم، بھائی حافظ محمد سعید خواجہ اور دیگر بھائیوں کی مغفرت فرمائے۔

☆ ہمشیر مرحومہ جناب خالد رفیق صاحب (خان پور)

☆ جناب پروفیسر عطاء اللہ اعوان رحمہ اللہ (بہاول پور) انتقال ۷/اپریل ۲۰۱۶ء۔

☆ ہمارے کرم فرما محترم ڈاکٹر شاہد کاشمیری (لاہور) کے سسر جناب محمد نواز بٹ مرحوم ۲/مارچ ۲۰۱۶ء اور ان کے بھائی محمد شفیق بٹ مرحوم ۱۲/اپریل ۲۰۱۶ء کو انتقال کر گئے۔

☆ میاں ریاض احمد صاحب (ککری، میلسی ضلع وہاڑی) کے چچا سسر جناب حاجی برخوردار مرحوم۔

☆ ورلڈ پاسبان ختم نبوت پاکستان کے بانی چیئرمین علامہ ممتاز احمد اعوان کی والدہ ماجدہ، انتقال 16/اپریل

اللہ تعالیٰ تمام مرحومین کی مغفرت فرمائیں، ان کی حسنات قبول فرمائیں اور درجات بلند فرما کر اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائیں۔ احباب وقارئین سے درخواست ہے کہ تمام مرحومین اور ساری امت کے لیے دعاء مغفرت اور ایصال ثواب کا اہتمام فرمائیں۔ (آمین)

دعاءِ صحت

☆ خواجہ خواجگان حضرت مولانا خان محمد رحمتہ اللہ علیہ کے فرزندِار جمند جناب خواجہ رشید احمد گزشتہ کئی ماہ سے شدید علیل ہیں اور مرکز سراجیہ لاہور میں مقیم ہیں۔

☆ حضرت مولانا احمد خان رحمۃ اللہ علیہ (بانی خانقاہ سراجیہ کندیاں) کے خاندان کے چشم و چراغ جناب حامد سراج صاحب کے بیٹے محمد قدامہ شدید علیل ہیں۔

احباب وقارئین ان کی صحت یابی کے لیے خصوصی دعا فرمائیں۔ (ادارہ)

بولان کا خالص

سرکہ سیب

(ایکسٹرا کوالٹی)

- دل کے بند والوں کو کھولتا ہے۔
- کولیسٹرول کو کم کرتا ہے۔
- ہاضمہ کو درست رکھتا ہے۔
- موٹاپے کو کم کرنے کیلئے بہترین دوا ہے۔
- گلے کی خراش اور بلغم ختم کر کے جسم کو صحت مند اور خوبصورت بناتا ہے۔
- رنگت نکھارتا ہے۔

Regd # QA/F/31

BOLAN'S®

Bolan Fruit Products
P.O.Box 285 Quetta
email: bfpq_asif@yahoo.com

بیاد مجدد بنی ہاشم سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ـــــ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

مدرسہ معمورہ

بانی: سید عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ
قائم شدہ: 28 نومبر 1961ء

دارِ بنی ہاشم
مہربان کالونی ملتان

خصوصیات

★ الحمد للہ مدرسہ معمورہ اپنے تعلیمی وفکری سفر میں ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہے
★ حفظ وناظرہ قرآن اور درسِ نظامی میں درجہ متوسطہ سے درجہ خامسہ تک تعلیم جاری ہے
★ دارالافتاء کا قیام ★ صرف ونحو کا، ماہر اساتذہ کی نگرانی میں اجراء
★ علمی، فکری، اخلاقی اور روحانی تربیت ★ تقریر وتحریر کی تربیت ★ دارالمطالعہ کی سہولت
★ ماہانہ مجلس ذکر ★ سالانہ ختم نبوت کورس ★ طالبات کے لیے جامعہ بستانِ عائشہ میں حفظ وناظرہ قرآن، درسِ نظامی اور پرائمری، مڈل شعبوں میں تعلیم جاری ہے

تعمیری منصوبے

● وسیع بیسمنٹ ہال ● دارالقرآن ● دارالحدیث ● دارالمطالعہ

اور دارالاقامہ کے لیے 24 کمروں پر مشتمل دو منزلہ عمارت کی تعمیر شروع کی جارہی ہے۔
تخمینہ لاگت بیسمنٹ ہال (20,00,000) بیس لاکھ روپے، لاگت فی کمرہ چار لاکھ روپے ہے
تخمینہ لاگت درس گاہیں، ہاسٹل، لائبریری، مطبخ (1,00,00,000) ایک کروڑ روپے
صدقہ جاریہ میں حصہ لیں اور نقد وسامان تعمیر دونوں صورتوں میں تعاون فرما کر اجر حاصل کریں۔
نیز طلباء کی ضروریات کے لیے زکوٰۃ وعشر، صدقات اور عطیات سے تعاون فرمائیں۔

ترسیلِ زر
بذریعہ بینک: چیک یا ڈرافٹ بنام سید محمد کفیل بخاری
کرنٹ اکاؤنٹ نمبر 0278-37102053
یو بی ایل، ایم ڈی اے چوک ملتان

رابطہ
061 - 4511961
0300-6326621
majlisahrar@yahoo.com
majlisahrar@hotmail.com

الداعی الی الخیر
ابن امیر شریعت سید عطاء المہیمن بخاری
مہتمم
مدرسہ معمورہ ملتان